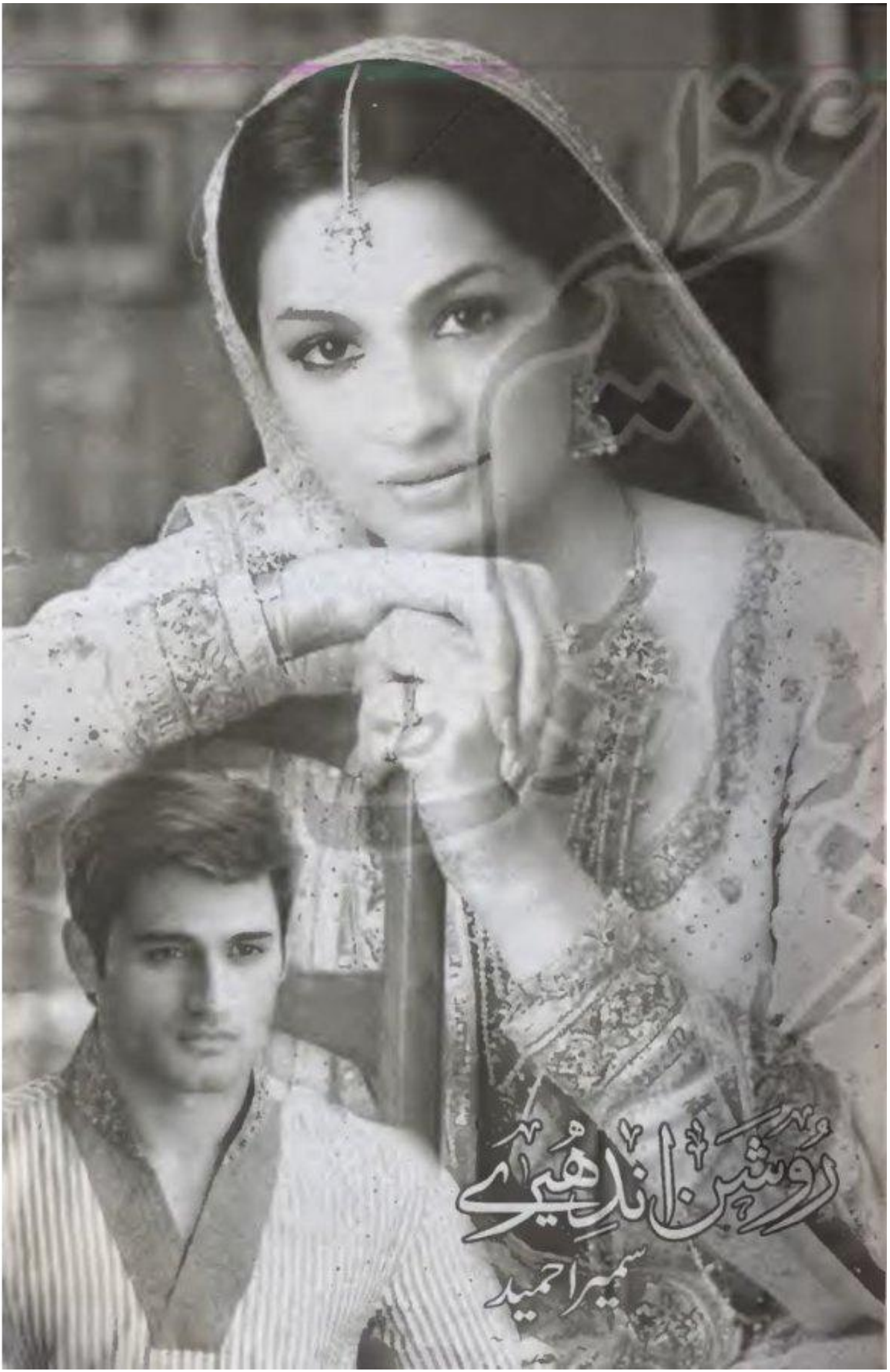
روشن اندھیرے
سمیرا حمید

یہ جو پر شکستہ ہے فاختہ' یہ جو زخم زخم گلاب ہے
یہ ہے داستاں میرے عہد کی' جہاں ظلمتوں کا نصاب ہے
جہاں ترجمانی ہو جھوٹ کی' جہاں حکمرانی ہو لوٹ کی
جہاں بات کرنی محال ہو' وہاں آگہی بھی عذاب ہے

گھر کتنے بھی بڑے ہوں' افراد کتنے ہی زیادہ ہوں' چلتے پھرتے پہروں میں بھی کچھ پہر تو ایسے ضرور ہوتے ہیں کہ درو دیوار انسان' مصروفیت' کام ساکت ہو جاتے ہیں چند لمحوں کے لیے ٹھہر ہی جاتے ہیں لیکن ایک انسان ایسا تھا مرحوم حافظ صاحب کے خاندان میں کہ اسے اگر کوئی ٹھہرا ہوا' بیٹھا ہوا یا بلاوجہ کھڑا ہی دیکھ لے تو خود پتھر کا بن جائے۔ یہ انسان رفو ہے جو ہر وقت کسی نہ کسی کو کام کرتی ہی ملے گی۔ دوپہر میں سب سو رہے ہوں گے اس نے چھت پر مشین لگائی ہوگی' شام تک سب اٹھیں گے تو وہ باورچی خانے میں چائے بنا رہی ہوگی' سب چائے پی رہے ہوں گے وہ سبزی بنا رہی ہوگی۔ بات کچھ نئی نہیں ہے بات پرانی ہی ہے۔ یتیم و مسکین نوکر ہی بنا دیئے جاتے ہیں ان کے لیے تخت نہ ہی بنتے ہیں نہ ہی بنائے جاتے ہیں۔ راجے مہاراجے یتیم و مسکین ہو جائیں تو ان پر تلواریں لٹکنے لگتی ہیں کجا عام انسان..... ایسے عام انسان کے اردگرد تنی اور لٹکتی تلواروں کو تو کوئی گن بھی نہیں سکتا اور نہ ہی ان کے ساتھ ایسی فوج ہوتی ہے جو دوسروں کو ان کے فرائض یاد دلائے اور انہیں ان کے حقوق دلائے کیونکہ یہ میدان کم و پیش ایک سے ہی بے رحم انسانوں سے اٹا ہوتا ہے تو رحم کا پرندہ بھی یہاں پر نہیں مارتا۔

''اے سن یہ ہے تیری اصل جگہ' اس سے اوپر نہ آ بیٹھو۔''

رفو کو کسی نے باقاعدہ بتایا تو نہیں کہ بچی تیری صرف یہی اوقات ہے ہاں ثابت آئے دن کرتے۔

رفو کی اماں بڑی پیاری تھی مگر بدقسمتی سے جب پچیس سال کی ہونے پر بھی اس کا کہیں رشتہ نہ ہو سکا تو خاندان بھر نے کہا کہ اتنی بوڑھی کو اب کون بیاہے گا تو نانا حافظ عبدالرحمن نے اس پچیس سالہ بوڑھی کو جیسے تیسے دور پرے کے گاؤں کے دکان دار اختر سے بیاہ دیا۔ شادی کے چوتھے سال اختر میاں ایسے بیمار ہوئے کہ حافظ صاحب انہیں شہر لے آئے۔

بڑھ چڑھ کر علاج کروایا لیکن بیماری بڑھ کر موت بن گئی' رفو سات مہینے کی تھی کہ یتیم ہوگئی اور چند ہی سال بعد مسکین بھی' پہلے نانا فوت ہوئے پھر اماں۔ دادا دادی اس کے حیات نہیں تھے' دونوں چچا خود آٹھ آٹھ' دس دس بچوں والے غریب غرباء تھے۔ نانی کا اماں کے بچپن میں ہی انتقال ہو چکا تھا۔ ایک خالہ تھیں اپنی پسند سے غیر ذات میں شادی کی تھی ان کے ساتھ جینا مرنا ختم تھا۔ حافظ عبدالرحمن کے تین بیٹے تھے رفو کے تین ماموں اور تین مامیاں تھیں ان سب میں اس کی ذمہ داری کس نے سنبھالنی تھی؟ کسی نے بھی نہیں' وہ یتیم و مسکین تھی ذمہ داری نہیں' اس کے کوئی حقوق نہیں تھے وہ کسی پر فرض نہیں تھی۔

پیدائش سے ہی اس میں ایک چیز بہت خاص تھی' اس کی خاموشی' اس کا صبر' اس کا کمال ضبط۔ قدرت ہر ذی روح کی پرورش اپنے ڈھب سے کرتی ہے اور کب کرتی ہے وہ ہی جانتی ہے تو اس کی تربیت ماں کے خون سے ہی شروع تھی' پیدا ہوتے ہی رفو ایک بار روئی ہو تو روئی ہو پھر اسے کم ہی کسی نے روتے سنا۔ جہاں لیٹتی سو جاتی' اٹھتی تو پٹ آنکھیں کھولے پڑی رہتی' بھوک لگی ہو تو لگی ہو' رو کر کبھی نہیں بتایا کہ بھوکی ہوں' روتی ہوں' مجھے اٹھاؤ' بہلاؤ' کھلاؤ۔

اٹھاتا کون؟ بہلاتا کون؟ اماں کاموں میں لگی رہتیں' بھائیوں کے گھر وہ رہ رہی تھیں' چپ کی زبان بولتی تھیں' ماتھے پر شکن نہیں لاتی تھیں' اتنا کام کر کے بھی نہیں تھکتی تھیں' شادی نہیں ہوئی تھی تب بھی کرتی تھیں۔ بیمار شوہر کو لے کر آئیں تب بھی کیا' بیوہ ہوگئیں تو زیادہ ہی کرنا پڑا۔ یہ جو رشتے ہیں نا یہ معاشرتی اتار چڑھاؤ میں بہت رنگ اور صورتیں بدلتے ہیں۔ اماں نے بھائیوں کے احسان کو احسان سمجھا حق نہیں' وہ

فرائض اور حقوق کی گنتی سے نکل آئیں جب تک نانا زندہ رہے' کھانے پینے کا آرام رہا' کپڑے مل جاتے' پیسے مل جاتے پھر سب بھول گئے کہ وہ پھل بھی کھاتی ہیں' کپڑے بھی نئے پہنتی ہیں اور پیسے..... انہیں کیا کرنا پیسوں کا؟

اماں کے مرنے پر چار سالہ بچی کیا روتی' کیا واویلا کرتی تب بھی وہ مامیوں کے بچوں کو اٹھا اٹھا کے گھومتی رہی۔ جس بستر پر اماں سوتی تھیں اور ان کے ساتھ وہ' تو اب وہ اس پر اکیلی سونے لگی۔ مامیوں کے بچوں کو گودوں میں اٹھا کر پہلے بھی گھومتی تھی اب بھی یہی کرتی ''تالیاں بجاؤ' چٹکیاں بجاؤ' گڑیا رانی بن جاؤ'' گاتی جاتی اور بچوں کو بہلاتی رہتی۔ سوا مہینے کے بچے سے لے کر ڈیڑھ' دو سال کے بچوں کے ساتھ وہ یہی کرتی رہتی' کبھی ادھر سے مامی کی آواز آتی۔

''رفو..... ! دیکھ ذرا منے کو اٹھ گیا روئے گا اب' تالیاں بجا' چھن چھنا بجا دیکھ روئے نا۔'' رفو پہلے سے پکڑے ڈیڑھ سالہ بچے کو اٹھاتی دوسرے جھولے والے کے پاس جاتی۔ گھنٹہ گھنٹہ تالیاں چٹکیاں بجاتی' طرح طرح کی آوازیں نکالتی' فیڈر کو منہ میں دیئے بیٹھی رہتی۔

''ایسے اللہ اللہ کرتی رہ' سو جائے گا یہ۔'' مامی اسے بتاتیں فیڈر پلاتے ایک ہاتھ سے سینے پر تھپکتے وہ اللہ اللہ کرتی رہتی' گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں منا اپنی مرضی سے سو جاتا جو چوسنی چوسنے والے ہوتے ان کی چوسنیاں وہ سو سو بار دھوتی ان کے منہ میں دیتی' جن کے بچوں کو دن میں سونے اور رات کو جاگنے کی عادت تھی ان کے بچوں کے ساتھ وہ یہی کام رات کو بھی کرتی۔ اتنا بڑا گھر تھا بچوں کی کمی نہیں تھی۔ مہمان آتے تو ان کے بچے بھی اس کے ذمے۔ فیڈر کی نپل ہزار بار دھلوائی جا رہی ہے' ٹشو لاؤ' فیڈر دھو کر سادہ پانی بھر لاؤ' پنی پھینک آؤ' پنی لے آؤ۔ دھوپ میں نیکر ڈال آؤ' چھت پر لے جاؤ' کبوتر دکھلاؤ' دکان سے لالی پاپ لے آؤ' اب یہ بسکٹ کھائے گا' ٹھیک سے اٹھاؤ گر جائے گا۔

تو رفو اتنے سارے بچوں کی چھوٹی سی اماں بن جاتی' اسے یہ معلوم ہوتا کہ کس بچے کا کون سا فیڈر ہے' کون سے خشک دودھ کا ڈبہ کس کا ہے۔ کس کا دودھ گرم پانی میں بنے گا اور کون ٹھنڈا دودھ بھی پی لیتا ہے۔ کون دودھ پیتے ہی سو جائے گا اور کسے دودھ پلانے کے بعد تھپکنا پڑے گا' فلاں نہ تھکتی ہے' فلاں کتنی دیر تک اٹھ جائے گا۔ بچے بہرحال فرشتے ہی ہوتے ہیں اس لیے رفو میں ان کی جان تھی' ڈھونڈ ڈھانڈ کر انہیں صرف رفو ہی چاہیے ہوتی اسی سے بہلیں گے۔ اسی کے ہاتھ سے فیڈر لیں گے' اسی کی آوازوں' تالیوں پر ہنسیں گے۔ اب جب جس کسی نے میکے جانا ہوتا وہ رفو کو ساتھ لے جانا چاہتی' باقیوں کو مصیبت پڑ جاتی خود لے جائیں تو ٹھیک بس کوئی دوسرا نہ لے جائے۔ تو تو میں میں ہوتی' اس کے ماموں (اپنے شوہروں) کو بتایا جاتا کہ بچی ہے' لڑکی ذات ہے ایسے لیے لیے پھرنا ٹھیک نہیں۔ لے جانے والا کام چھوٹی مامی رخسانہ کو زیادہ بھاتا اور بڑی مامی رشیدہ کو زیادہ غصہ آتا' مامی رشیدہ کا خیال تھا کہ ان کے تین چھوٹے بچے ہیں اور رخسانہ کا صرف ایک تو رخسانہ کو اپنا ایک تو خود سنبھالنا چاہیے لیکن رخسانہ میکے جا کر ہنسی مذاق کرتی کہ بچے کو سنبھالتی اور یہ بچے ہر وقت ری ری جانے کیوں کرتے ہیں' ذرا مائیں گھروں سے باہر نکلتی نہیں کہ آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں تو اب رفو کی زیادہ ضرورت کسے تھی' رخسانہ مزے سے چار پانچ بار اسے میکے لے گئی وہاں رفو اس کی دوسری بہنوں کے بچوں کو بھی دیکھ لیتی' رشیدہ مامی نے حتی الامکان گھر میں کافی فساد کیا' ایک بار کھانا نہیں پکا دیر سویر جو پکا وہ جل گیا۔ اسے کھا کر مرد بھڑک اٹھے' مصیبت کی جڑ رفو! وہ کیوں گئی آتے ہی ایک زور کا چانٹا پڑا' رخسانہ کو تو مار نہیں سکتے تھے نا.....

اب یہ طے ہوا کہ کوئی تقریب ہو تو ہی رفو جائے ساتھ' آگے پیچھے ہر ہفتے اسے میکے لے جانا ٹھیک نہیں۔ تقریبات بھی کہاں دور رہتی ہیں' آئے دن ہوتیں رہتیں۔ رفو شادی والے گھر میں تین چار دن رہ لیتی ہر طرح کے نئے نویلے' دور و نزدیک کے بچے کی اماں بنا دی جاتی۔

''اری رفو! اسے بھی لے جا۔'' شادی والے گھر میں اسے جس کے لیے آواز دے کر بلایا گیا ہوتا اٹھا کر یا انگلی پکڑ کر لے جاتی جس کا اسے نام بھی معلوم نہ ہوتا۔ نئی نئی بنی مائیں ساڑھی' لہنگے' کامدار دوپٹے سنبھالتی بن ٹھن کر ہنسی ٹھٹھولے کرتیں کسی ایک آدھ کو اپنا بچہ یاد آ بھی جاتا تو ہاتھ دبا کر کہا جاتا۔

''رفو کے پاس ہے روئے گا نہیں' بے فکر رہو۔'' اور واقعی بچہ رو کر نہ دیتا۔ رفو جو کر بنی سب کا دل بہلا رہی ہوتی۔ زبان باہر نکال رہی ہے' بلی کی آواز' چڑیا کی آواز' بکری اور کوے کی آوازیں نکال نکال کر سنا رہی ہے' آنکھیں ٹیڑھی کر رہی ہے'

شادی والے انجانے گھر میں بھی رفو رفو ہوتی، وہی فیڈر دودھ کے قصے۔ اتنی سی عمر میں ہی وہ ہر کام کو کمال فن اور ایمان داری سے کرتی تھی، چوکتی نہیں تھی، کوتاہی نہیں کرتی تھی، جی جان لگا دیتی تھی۔

چھ سال کی ہوگئی تھی پر اسکول نہ گئی، کون بھیجتا اسکول بڑے ماموں کے حسن، زبیر اور منجھلے ماموں کی زنیرہ اور احمد جاتے تھے اسکول لیکن اس کے جانے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ جاتی تو بچے کون سنبھالتا لیکن کچھ یوں ہوا کہ مامی رشیدہ کی لاڈلی بیٹی گڑیا جو صرف اسی کے ہاتھ سے فیڈر پیتی تھی اور جو اس کے بغیر ایک منٹ نہیں ٹکتی تھی جب اسے اسکول بھیجا گیا تو رو رو کر اس نے اسکول سر پر اٹھالیا، طرح طرح کی کھانے والی چیزیں لاکر دیں، یہ بڑا ٹیڈی بیئر خرید کر دیا، لیکن پھر بھی وہ جماعت میں بیٹھنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ رفو ساتھ جاتی جماعت میں بٹھاتی تب تک سب ٹھیک تھا جیسے ہی وہ باہر آتی وہ گلا پھاڑنے لگتی، دو تین دن تو اسکول والوں نے رفو کو جماعت میں اس کے ساتھ بیٹھنے دیا کہ شاید گڑیا بھی بیٹھی رہے لیکن چوتھے دن انہوں نے رفو کو جماعت میں گھسنے نہ دیا، ناچار حلق پھاڑتی بچی کو چپ کروانے کے لیے رفو کو بھی اسکول میں پلے گروپ کی جماعت میں داخل کروانا پڑا، رفو رافعیہ کے نام سے تعلیم کے میدان میں داخل ہوگئی۔

کسی کے ہاتھ قارون کا خزانہ آجائے اور جو اسے خوشی ہو تو وہ اس خوشی کے آگے چھوٹی تھی جو رفو کو بستہ لے کر جماعت میں بیٹھنے سے ہوئی، یا یہ جان کر ہوئی کہ اب وہ بھی روز اسکول جاسکتی ہے۔

رفو تو جب سے گڑیا کا بستہ اٹھا کر اسے جماعت تک چھوڑنے آرہی تھی اس وقت سے ہی مسحور تھی، اسے حیرت ہوتی کہ اتنی پیاری جگہ آکر گڑیا کیوں روتی ہے۔ جہاں بیٹھنے کے لیے کرسی ہے اور طرح طرح کی تصویروں والی کتابیں دیکھنے کے لیے ہیں اب وہ خود بھی ایک کرسی پر آبیٹھی تو جیسے وہ جنت میں آگئی اسے یقین ہی نہیں آیا کہ ایک کرسی اس کے لیے بھی ہے۔

گڑیا کی طرف سے اب سکون تھا وہ صبر سے اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی رہتی، رفو نے تو خیر جلد ہی پنسیل پکڑنا سیکھ لی کہ اسے پنسیل بہت پیاری لگتی تھی، اب وہ گڑیا کو ہاتھ میں پنسیل پکڑواتی اور پہلے اسے کام کرواتی، ربڑ اپنے ہاتھ میں رکھتی غلطی کرتی تو خود ہی مٹاتی، کلرز نکال کر سامنے رکھتی پھر اپنا کام کرتی۔ استانی سبق پڑھاتی تو رفو گڑیا کی انگلی ٹھیک وہیں رکھتی جہاں استانی جی نے کہا ہوتا اور دونوں مل کر سبق دہراتی تھیں، پیاس لگنے پر بوتل کھول کر اسے پانی پلاتی، کھانے کے وقفے میں لنچ بکس کھول کر اسے نوالے بنا بنا کر کھلاتی، منہ ہاتھ دھلاتی، باتھ روم لے کر جاتی۔

رفو کو حسن کا استعمال شدہ بستہ مل گیا تھا، رشیدہ مامی کی بھانجی کے کالے جوتے بھی جو اسے اتنے کھلے تھے کہ دو قدم چلنے پر ہی اتر جاتے، وردی اسکول سے ہی ملنی تھی تو رشیدہ مامی کو وہ لینی ہی پڑی۔ گڑیا نے ٹھیک سے پنسیل پکڑ کر الف لکھنا سیکھ لیا تھا۔ مامی کے لیے یہی بہت بڑی بات تھی اسکول جاتے اب گڑیا روتی نہیں تھی، واپسی پر بھی ہنستی مسکراتی ملتی تھی۔ کیا مجال کہ اس کے وردی، جوتوں پر ہاتھ منہ پر ایک داغ لگا ہو، جیسی صاف ستھری جاتی ویسی ہی صاف ستھری آتی۔

چھوٹا سا پرائیوٹ اسکول تھا تو داخلے سارا سال ہی ہوتے تھے، وقفے وقفے سے پلے گروپ میں روتے پیٹتے کئی بچے آتے اور چند ہی دنوں بعد ان کی مائیں آکر پوچھتیں "یہ رفو کون ہے؟" آیا رفو کا بتا دیتی۔

"بیٹا آج بھی اسے دیکھ لینا کہ یہ روئے نہ۔"

"اچھا آنٹی جی۔" وہ سر ہلا دیتی۔

کوئی دوسری کہتیں "پاس بٹھا کر یہ انڈا پراٹھا کھلا دینا۔"

کوئی کہتیں "چھٹی سے پہلے اس کا بستہ ایک بار دیکھ لینا۔ ہر روز یہ چیزیں گم کر دیتا ہے۔"

"یہ لو پانچ روپے اسے بسکٹ لے دینا، کہے بھی تو ٹافی نہ لے کر دینا۔"

وہ یہ سب بھی کر دیتی، جماعت میں وقفے وقفے سے چیزیں اٹھا کر ان کے بستوں میں ڈالتی جاتی، کسی کی پنسیل گری ہوتی، کسی کی ربڑ...... کسی کی کاپی کسی دوسرے کے بستے میں ہوتی، کسی کی ڈائری۔ کوئی پانی کی بوتل گھر بھول آیا ہے اور اب جس کا پانی پی گیا ہے وہ رو رہا ہے۔ روتے ہوئے مسئلہ رفو کو بتایا جاتا، رفو لے جا کر پانی کی بوتل بھرتی۔ بار بار انہیں پانی پلانے لے جاتی، اسکول میں ایک ہی آیا تھی تو استانی جی رفو کے ساتھ ہی بچوں کو پانی یا باتھ روم کے لیے بھیج دیتیں اور بچوں کو بھی رفو کے ساتھ ہی جانا ہوتا تھا۔

جماعت میں رفو جلدی ہی اپنا کام کر لیتی، گڑیا کو بھی

کروا چکی ہوتی تو استانی اسے دوسرے بچوں کا کام دیکھنے کے لیے کہتیں وہ ایک ایک کے پاس جا کر ہاتھ پکڑ کر انہیں لکھواتی جاتی۔ ایک ایک کر کے استانی کے پاس چیک کرنے کے لیے بھیجتی، بیس، پچیس بچوں کو کیٹ، ڈوگ، بستہ، بلا لکھواتے لکھواتے اسے حرف حرف ازبر ہو جاتا۔ لکھائی پہلے سے بہتر ہو جاتی، ماہانہ ٹیسٹ میں وہ بنا یاد یا مشق کیے اچھے نمبر لے لیتی۔ گھر جا کر نہ اس کے پاس پڑھنے کا وقت ہوتا نہ ہی اسے وقت دیا جاتا اس کی مشق جماعت میں ہی ہو جاتی۔

مائیں بچوں کے انڈے پراٹھے، ڈبل روٹی میں ایک اس کے لیے بھی رکھ کر بھیجتیں۔ آتے جاتے اپنے بچوں کے بارے میں پوچھتی رہتیں، رفو سب کا حتی الامکان خیال رکھتی۔

ٹھیک ایک سال بعد سالانہ نتیجہ آیا وہ اوّل آئی۔ پرنسپل نے اس کی دل کھول کر تعریف کی، اس دوران مامی اپنی پیاری بیٹی گڑیا جو آج پری والا ڈریس پہن کر آئی تھی، اس کی تصویریں بناتی رہیں، گڑیا تھرڈ آئی تو مامی نے پرنسپل کے ساتھ گڑیا کی تصویریں بنائیں، دوسرے بچوں کی ماؤں نے رفو کو خوب پیار کیا اپنے بچوں کے ساتھ اس کی تصویریں بنوائیں، یہی وہ لڑکی تھی جس نے ان کے روتے بچوں کو چپ کرایا تھا اور جس کی وجہ سے وہ اسکول چلے جاتے تھے۔

مامی نے سب کو مٹھائی کھلائی، گڑیا کا اسکول میں دل لگ گیا تھا اب وہ کیوں رفو کی فیس بھرتیں، اوّل آنے پر اس کی اسکول فیس دو مہینے کے لیے معاف تھی۔ انعام میں کورس بھی دیا گیا تھا، دو ماہ پڑھ لے باقی مامی کیوں پڑھائیں؟

منجھلی مامی رقیہ کے کامران کے ساتھ اور چھوٹی مامی کے برہان کے ساتھ بھی وہی ہوا جو گڑیا کے ساتھ ہوا تھا، ان دونوں کو بھی رفو چاہیے تھی مجبوراً دونوں مامیوں نے مل کر فیس آدھی آدھی بھرنے کی حامی بھری اور دونوں بچوں کو گڑیا کے اسکول ہی میں داخل کروادیا۔

رفو انہیں جماعت میں لے جا کر بٹھاتی، بہلاتی، سمجھاتی اور اپنی جماعت میں آجاتی، رفو کی بات تو وہ مان ہی لیتے تھے اگر روتے تو استانی ذرا دیر کو رفو کو بلا کر ان کے پاس بٹھا دیتیں رفو انہیں چپ کروا کر چلی جاتی، کھانے کے وقفے میں آکر انہیں کھانا کھلاتی، پانی پلاتی۔ چھٹی کے بعد ایک طرف بیٹھ کر ان کی کاپیاں، پنسلیں پوری کرتی، کتابیں گنتی، کاپیاں نکال نکال کر کام دیکھتی کہ ٹھیک سے کیا ہے کہ نہیں، ڈائری دیکھتی کہ لکھوائی ہے کہ نہیں پھر ان سب کی پانی کی بوتلیں اپنی گردن میں اور ان کے بستے دائیں بائیں کندھے پر لٹکا کر ہاتھ پکڑ کر خیال سے گھر لے آتی۔

اگلے سال دو اور بچے اسکول آگئے ایک گڑیا کا بھائی اور ایک برہان کی بہن۔ صبح ماموں موٹر سائیکل پر چھوڑ جاتے، چھٹی کے بعد رفو سب کو ایک ساتھ گھر لے آتی، بستے سب کے اسی نے لٹکائے ہوتے، اتنی جان تو اس میں نہیں تھی لیکن وقت بہت کٹھن تھا اور کٹھن وقت کو ایسے ہی مذاق میں ہی کٹھن نہیں کہا جاتا۔ مامیاں کہتیں کہ سب کی بوتلیں بستے وہ اٹھایا کرے، چھوٹے بچوں سے کہاں بھلا اٹھایا جاتا ہے تو اس نے اتنا وزن اٹھانا سیکھ لیا اور سیکھنے سے سب کچھ آجاتا ہے۔

دوسرے بچوں کی مائیں اسکولوں میں آتیں، ایک ایک کاپی کھول کر دیکھتیں کہ بچوں نے ٹھیک سے کام کیا کہ نہیں، ٹیسٹ میں کتنے نمبر آئے؟ کم آئے تو کیوں؟ فلاں غلطی پر پورا نمبر کیوں کاٹا؟ اور یہاں ان پانچ کو رفو کی حوالے کر کے ان کی مائیں وہ خود بری الذمہ ہوگئی تھیں۔ رفو گھر جا کر ان کے بستے ٹھکانے پر رکھتی، ان کے جوتے اتارتی، کپڑے بدلواتی، ہاتھ منہ دھلواتی، کھانا ڈھانپ کر باورچی خانے کی میز پر رکھا ہوتا وہ سب کو بٹھا کر کھلا دیتی، سب تھکے ہوتے کھانا کھاتے ہی سو جاتے، وہ گندے برتن دھونے لگتی۔ سوئی ہوئی مامی کا کوئی گود کا بچہ اٹھ جاتا آواز دے کر اسے بلاتیں۔

"لے جا اس کم بخت کو یہاں سے۔" وہ اندھیرا کیے ٹھنڈے کمروں سے اس کم بخت کو نکال برآمدے یا صحن میں آجاتی، اسے بہلاتی جاتی ساتھ اسکول کا کام کرتی جاتی ورنہ گود میں لے کر بچے کو سلانے کی کوششیں کرنے لگتی، سو جاتا تو بمشکل اٹھا کر بستر پر لٹا آتی اور تھوڑا بہت پڑھ لیتی، اسکول کے سب کے جوتے پالش کر کے رکھتی، گندے اسکول کے کپڑوں کو ٹوکری میں ڈال کر اوپر رکھ کر آتی اور ایک ایک کر کے سب کے کل کے پہننے والے کپڑے استری کرتی۔

بچے ذرا نالائق ہونے لگے تو مصیبت رفو کی آئی، مامیاں بڑے کڑے تیوروں سے اس سے سوال جواب کرتیں اور وہ استانیوں کے پیچھے بھاگتی۔

"برہان نے انگریزی کا سبق سہی سنایا تھا؟"

"ہاں آج تو ٹھیک سنایا تھا پر وہ بہت شرارتی ہوتا جارہا ہے، لکھائی بھی بہت گندی ہوگئی ہے اس کی۔" استانی کہتیں۔

باری باری وقفے وقفے سے وہ باقیوں کی استانیوں سے بھی ایسے ہی پوچھتی' سہ ماہی اور سالانہ امتحانات میں پرچہ شروع ہونے سے پہلے ان کے پاس جاجا کر سمجھاتی کہ کون سا سوال آجائے تو کیسے کرنا ہے' الٹی گنتی کیسے لکھنی ہے' جوڑ توڑ کیسے کرنے ہیں' خالی جگہ دھیان سے پُر کرنی ہے' زبانی سنائی میں وہ کتابیں کھول کر ان سے بار بار سوال کرتی' انہیں اچھی طرح سے یاد کروا دیتی' ٹیوشن وہ سب ہی جاتے تھے۔ امتحانات میں مامیاں بھی بٹھا کر رات گئے تک پڑھاتی تھیں پھر بھی وہ ساتویں آٹھویں پوزیشن ہی لیتے۔ رفو اوّل کیسے آجاتی تھی اس کی کسی کو سمجھ نہیں آتی تھی اور وہ سمجھنا بھی نہیں چاہتے تھے' ان کا خیال تھا کہ اس کی استانیاں ہی کافی میسنی ہیں اس پر ساری توجہ دیتی ہیں یا پھر یہ رفو ہی نقل مار لیتی ہے۔

رفو اساتذہ کی چہیتی تھی کبھی اسے ایک بات دوبارہ نہیں کہنی پڑتی تھی' کبھی شور نہیں کرتی تھی' بلاضرورت کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔ اپنے کام سے فارغ ہوتی تو استانی جی کے کہنے پر باقی سب کا سبق سن لیتی' کھڑی ہو کر سبق دہرا دیتی۔ ایک یہ استاد ہی تو تھے جو اتنے پیار سے اسے پڑھنے اور کام کرنے کے لیے کہتے تھے' وہ کیسے نہ ان کی بات مانتی' کیسے نہ ان کا کہا یاد رکھتی اور لکھنا پڑھنا اسے باقی دوسروں کاموں سے آسان بھی لگتا تھا اور اچھا بھی۔ اس کی ہم جماعتوں کی مائیں بھی اس سے خاص لگاؤ رکھتیں' اس سے اپنے بچوں کی کارکردگی کے متعلق پوچھتی رہتیں۔

"کہتی ہے مس نے بلاوجہ مارا؟"

"آنٹی! یہ جماعت میں سبق نہیں پڑھتی اس لیے مارا۔"

"کیوں نہیں پڑھتی یہ.....؟"

"یہ رونے لگتی ہے چپ کھڑی رہتی ہے۔"

"رافعیہ بچے! تم اسے اپنے ساتھ بٹھایا کرو۔"

ایک اور آتیں' پوچھتیں۔

"رافعیہ! یہ کرن کون ہے' اسے بہت مارتی ہے۔"

"آنٹی یہ اس کے بال کھینچتی ہے۔"

"اچھا یہ نہیں بتایا اس نے۔"

سب کو رفو کی بات پر یقین ہوتا اس پر جھوٹ کا گمان ہی نہ ہوتا' وہ ایسی بچی ہی نہیں تھی کہ بات خود سے گھڑ کر سناتی یا کوئی اور چالاکی دکھاتی سب کو معلوم تھا اس کی فرشتہ صفات کا۔

اوپر نیچے کی جماعتوں میں رفو سب کا پیار رکھتی' کسی کی لڑائی ہوئی ہوتی' کسی نے کسی کو مارا ہوتا' وہ سب کے مسئلے حل کرتی جس کی وجہ سے خود اس کا اپنا کام رہ جاتا۔ وہ تو اساتذہ اچھے تھے اس کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے ایک بار جو اسے انعام میں کورس مل گیا تو مل گیا پھر کاپی پنسل ربر اسے نہ ملتی۔ کاپی کے صفحوں کو وہ ایسے استعمال کرتی جیسے آبِ حیات۔

اتنی ہمت نہ ہوتی کہ ماموں یا مامی سے کہے' مس بار بار ڈائری پر لکھتیں۔

"حساب کی کاپی درکار ہے۔" یہ سطر تو وہ پڑھے ناجو اس کی ڈائری دیکھے۔ استانیوں کو معلوم تھا کہ وہ یتیم ہے ماموؤں کے پاس رہتی ہے' اس لیے پنسل ربڑ تک اس کی امداد کر دیتی تھیں' غصہ ماموؤں پر بھی آتا کہ ایک بچی کی کفالت نہیں کر سکتے وہ بھی اتنی لائق بچی کی۔ آیا جی سے کہلوا کر ایک دن پرنسپل نے صبح ہی ماموں کو آفس میں بلا لیا' ماموں سن کر بہت شرمندہ ہوئے کہ دس دن سے بچی کی کاپی نہیں آئی' آفس میں ایڈوانس پانچ سو روپے جمع کروائے کہ جو کاپی پنسل آئندہ ختم ہو وہ کینٹین سے لے دی جائے۔ ان سب ماموؤں کا خیال یہی تھا کہ بچی رفو اسکول جا رہی ہے' گھر میں پرورش پا رہی ہے اور سب ٹھیک ہے۔

❁.....❁.....❁

پانچویں کے بورڈ کے امتحانات میں رفو اول آئی' گڑیا بھی اچھے نمبروں سے پاس ہوگئی' مامی نے دل کھول کر مٹھائی بانٹی۔ اسے بڑا سا ڈول ہاؤس لے کر دیا۔ اس کے ماموں خالاؤں نے کپڑوں جوتوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ کہاں کہاں سے گڑیا کو تحائف نہیں ملے۔ بڑی مامی کا خواب تھا گڑیا کو بڑے اور مہنگے اسکول میں داخل کروانے کا' چھوٹی سمجھ کر گھر کے قریب ہی عام سے اسکول میں کروا دیا تھا اب تو اکیلی جا سکتی تھی دوسرے اسکول جہاں کھیلنے کو میدان بھی تھا تو گڑیا وہاں جانے لگی' رفو گھر رہ گئی لائق ہونے سے یا بورڈ میں اوّل آنے سے تو کچھ نہیں ہوتا نا؟

رفو صبح ہی بچوں کو تیار کروا کر اسکول چھوڑ آتی۔ استانیوں نے لاکھ پوچھا۔

"رافعیہ! آگے داخلہ نہیں لیا' اول آئی ہو پڑھتی کیوں نہیں آگے۔ ماموں سے کہو کہ سرکاری اسکول میں داخل کروا آئیں؟" پر وہ بے چاری چپ رہتی' اس میں اتنی عقل نہیں تھی کہ اتنا ہی کہہ دیتی کہ "مجھے کیا معلوم؟"

پرنسل صاحبہ اپنے آفس لے گئیں' پوچھنے لگیں وہ پھر بھی چپ رہی۔

''ماموں کس وقت گھر آتے ہیں؟''

''شام کو.....'' وہ اسی سوال کا جواب جانتی تھی۔

شام ڈھلی تو پرنسپل صاحبہ ان کے گھر آئیں' بڑے ماموں گھر پر ہی تھے' میڈم نے بچی کی قابلیت پر پہلے تو جامع لیکچر دیا۔ دبے لفظوں میں انہیں شرم دلائی' بڑے ماموں بے چارے جنرل اسٹور چلاتے تھے' کم گو اور شرمیلے تھے' اتنی با رعب اور پڑھی لکھی عورت کے سامنے تو گونگے ہی بن گئے۔

''لے جاؤں میں پھر بچی کو داخل کروانے؟'' بہت آرام سے پوچھا لیکن آواز اور انداز میں طنز نمایاں تھا۔

''جی لے جائیں۔''

''سرکاری اسکول میں زیادہ خرچہ نہیں ہوتا' فیس معافی کی درخواست بھی میں دے دوں گی' کتابیں وغیرہ سب مفت ملیں گی' بس بچی کو اسکول جانے سے نہ روکا جائے۔''

''جی میں فیس بھی دے دوں گا' ایسی کوئی بات نہیں۔''

اس بات پر میڈم نے صرف ابرو اٹھا کر دیکھا اور بمشکل غصہ ضبط کیا۔ ماموں کو لگا کہ ان کی بہت سبکی ہوگئی' میڈم گئیں تو بھڑک مار کر رفو کو بلایا وہ پانی کا پائپ لگا کر پچھلی طرف کا صحن دھو رہی تھی۔

''تُو نے داخلہ کیوں نہ لیا آگے؟ بتایا کیوں نہیں مجھے؟''

''یہ کیوں بتائے گی' بس بہت پڑھ لیا۔'' جواب مامی نے دیا۔

''تُو چپ رہ..... میڈم سے وعدہ کرلیا ہے۔''

''میڈم جائے بھاڑ میں' اکیلے کام نہیں ہوتے مجھ سے۔''

''وہ تُو جانے' کل تیار ہو کر میڈم کے ساتھ چلی جانا رفو! وہ تجھے داخل کروا آئیں گی۔''

''وہ کون ہوتی ہے ہمارے معاملات میں پڑنے والی؟'' مامی تنک کر بولیں۔

''تُو کون ہے رفو کے معاملے میں بولنے والی؟'' ماموں سے تُو مٹائے نہیں مٹ رہی تھی اپنی شرمندگی' میڈم نے جتا دیا کہ جہاں اتنے بچے پڑھتے ہیں ایک یتیم بچی کو نہیں پڑھا سکتے' اب ماموں اور مامی آمنے سامنے آگئے۔ ایک کا حکم تھا ایک کو انکار' اور ان دو لوگوں کے درمیان بری وہ بن گئی۔ آج سے پہلے یہ نہیں ہوا تھا' ہر فرد نے اپنی ضرورت کے تحت ہی اس کے لیے فیصلے کیے تھے اس کی بہتری کے لیے نہیں' ماموں نے اپنی مجبوری میں اسے اسکول بھیجا' سالوں انہیں ہوش نہیں رہا کہ بچے اسکول کب گئے اور کب آئے' ان کے اسکول کے کیا مسئلے ہیں اور ماؤں کے برعکس جن کے ہزار چکر اسکول کے لگتے ہیں انہیں سارا سال ایک آدھ بار ہی جانا پڑتا' اب وہ اسکول میں اول آئی ہے بورڈ میں پاپورے پاکستان میں ان کی جوتی سے' لکھنا پڑھنا انہوں نے سکھا تو دیا تھا اب وہ اور کتنا پڑھے گی؟ اور پڑھے بھی کیوں؟

میڈم بار بار کہتیں لائق ہے' کیا لائق ہے؟ انہیں لگتا یہ میڈم ہی اسے جان بوجھ کر بلاوجہ اول لاتی رہی ہے بھلا جس لڑکی کو کبھی کتاب پکڑے بیٹھے نہیں دیکھا وہ اول کیسے آجاتی ہے' اگر وہ تھوڑا سا غور کرتیں تو انہیں معلوم ہوتا کہ اسے اول آنے میں مدد انہی سے ملی۔ وہ ان سے ڈرتی تھی دماغ کو چوکس رکھتی تھی' ہمہ وقت کہیں کوئی غلطی کوئی چوک نہ ہوجائے' ماموں ناراض نہ ہوجائیں اسکول ہی نہ جانے دیں تو وہ غلطی کرنے سے بہت ڈرتی تھی' اگر فیل ہوجائے تو سب کہتے کہ یہ نہیں پڑھ سکتی ہٹاؤ اسے اسکول سے اور ایک اسکول ہی تھا جو اسے بہت پیارا لگتا تھا۔ وہ پڑھائی میں غلطی کی گنجائش ہی نہ رہنے دیتی، استانی پڑھا رہی ہوتیں ساتھ ساتھ وہ فٹافٹ دماغ میں دہرا رہی ہوتی' لکھ رہی ہوتی' ساتھ ساتھ یاد کر رہی ہوتی' گھر آتے' جھاڑو لگاتے' برتن دھوتے' کپڑے استری کرتے' بھاگ بھاگ کر ہر مامی کی آواز پر لپکتے اسباق دہرا رہی ہوتی۔ جماعت میں ٹیسٹ The Crow کہانی کا ہے تو قریب ہی کتاب کھول کر کہیں رکھ لیتی' ذہن میں دہراتی جاتی اور ایک نظر آتے جاتے ڈالتی جاتی کہ ٹھیک پڑھ رہی ہے نا۔ بچوں کے ساتھ نام لے لے کر دھو رہی ہے۔ اسلامیات' سائنس کے اسباق دہرا رہی ہے' آٹا گوندھتے' کمروں سے چیزیں سمیٹتے وہ ضرب' تقسیم کے سوال حل کر رہی ہے۔ ایک طرف سوال کے اعداد یاد رکھتی ہے انہیں تقسیم کرتی ہے ضرب کرتی ہے' فٹافٹ پہاڑے پڑھتی ہے جواب نکالتی ہے جواب یاد رکھتی ہے اگلا سوال ایسے ہی کرتی ہے اس کا بھی جو اب یاد رکھتی ہے ذرا سا موقع ملتا ہے تو حساب کی کاپی کھول کر دیکھتی ہے کہ حاصل جواب ٹھیک آئے کہ نہیں' ہر بار ٹھیک نہیں ہوتے تھے تو ہر بار غلط بھی نہیں ہوتے تھے۔ اس کے ذہن کو کام کرنے کی ایسی عادت پڑ چکی تھی' وہ رات میں بھی نہیں سوتا

تھا جو ایک بار دماغ میں جاتا وہ دوبارہ نہیں نکلتا اور دماغ میں صرف کتابیں جا رہی تھیں' بستہ کھول کر پڑھنے کا وقت اس کے پاس بہت کم یا ہوتا ہی نہیں تھا لیکن دماغ کے پاس بہت وقت تھا' دھلے فرش پر واپر لگاتے' مامی کی الماری میں کپڑے تہہ کر کے رکھتے اور باتھ روم کی ٹائلوں کو محلول ڈال کر رگڑ رگڑ کر چمکاتی وہ انگریزی سے حساب تک ہر سبق کو دہرا لیتی۔ کبھی اونچی آواز میں بڑبڑانے لگتی' برہان وغیرہ کو ذرا دور ٹیوشن چھوڑ کر آتی تو واپسی پر گلیوں سے گزرتے اس کی بڑبڑاہٹ ذرا بلند ہوجاتی وہ تیز تیز چلتی واحد جمع' مذکر مونث' یا پھر انگریزی میں درخواست دہرا رہی ہوتی۔ ان سارے حالات و واقعات نے مل کر اس کا دماغ بہت تیز کر دیا تھا۔ چوبیس سو گھنٹے اس کا دماغ چلتا رہتا' جیسے ترکھان کانٹ چھانٹ کر لکڑی کو رندا لگا لگا کر نرم و ملائم کرتا ایک شکل دے دیتا ہے ایسے ہی حالات کے رندے اس کے دماغ پر لگ رہے تھے۔ اب وہ کھڑے کھڑے حساب کے سوال پر نظر ڈال کر اسے حل کرلیتی۔ اسے معلوم ہوتا کہ لفظ یو (You) کے آگے آر (Are) ہی لکھا ہوگا۔ اردو قواعد اور انگریزی گرائمر میں وہ کھڑے کھڑے جملے بنا لیتی' جملے بنا لیتی تو مضمون بھی لکھ لیتی۔ جماعت میں جو فارغ وقت مل جاتا وہ آگے سے آگے کتابیں خود ہی پڑھتی جاتی' سوالوں کے جواب ڈھونڈتی رہتیں تو اب بھی وہ اڈل نہ آتی تو کب اور کیسے نہ آتی۔

❁.....❁.....❁

بس' رکشہ یا موٹر سائیکل پر بیٹھو تو پندرہ منٹ کی مسافت پر پیدل تیز چلو تو تیس منٹ کی مسافت پر اس کا اسکول تھا۔ میڈم نے ماموں کا اعتبار نہیں کیا تھا اور اس کا نام مستحق طالبہ میں لکھوا دیا تھا کتابیں اور وردی اسے اسکول کی طرف سے مل گئی تھیں اب مسئلہ اسکول آنا جانا تھا مامی رشیدہ بہت ناراض تھیں اسے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کام کر کے جانا اسکول' صبح فجر کے وقت اٹھ کر اس نے آگے پیچھے کے صحن دھوئے' آٹا گوندھا' ٹی وی والا بڑا کمرا صاف کیا' ہر آمدہ اور پچھلی طرف بنے دو علیحدہ علیحدہ باتھ روم دھوئے۔ اسکول جانے والوں کو باری باری اٹھایا' منہ ہاتھ دھلوا کر تیار کیا' سب کا ناشتا' مچھلی مامی بناتی تھیں' سب کو ناشتہ کروایا' پانی کی بوتلیں بھریں' اپنی وردی پہنی ان سب کے ہاتھ پکڑے اور انہیں اسکول چھوڑ کر آئی پھر خود بھاگتی ہوئی اپنے اسکول آتی۔ بس کا کرایہ نہ اسے دیا گیا نہ ہی کسی نے پوچھا کہ اتنی دور اسکول سے کیسے جاؤ گی ان کی بلا سے' بڑی اور چھوٹی مامی تو صبح جلدی اٹھتی ہی نہیں تھیں۔ مچھلی بھی صرف ناشتا بنانے کے لیے اٹھ جاتی' جنرل اسٹور والے ماموں ذرا صبح ہی نکل جاتے وہ وہیں اسٹور پر ہی ناشتا کرتے۔ باقی دو ماموں ذرا دیر سے جاتے تھے' مچھلے ماموں کی پُرزوں کی دکان تھی اور چھوٹے ماموں ایک فیکٹری میں منیجر تھے۔ تینوں ہی رات گئے گھر واپس آتے تھے' بھاگ دوڑ میں رفو گھبراتی نہیں تھی۔ ڈیڑھ کنال کے اس گھر میں بھی بھاگتی ہی رہتی تھی تو اسکول کے لیے بھاگنے میں اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا' دو بار اسے دیر سے آنے پر جرمانہ ہوا تو اس نے جیسے تیسے اپنی مس سے کہہ کر وہ جرمانہ معاف کروایا اور اگلی بار اور تیز بھاگ کر اسکول آئی' گرمیاں تھیں تو وہ پسینے میں نہا جاتی۔ کبھی کبھار کوئی ہم جماعت اسے راستے میں دیکھ لیتی تو اپنے ابا کی موٹر سائیکل یا بھائی کی سائیکل پر بٹھا لیتی واپسی پر بھی چھوڑ جاتی' چھٹی کے وقت اسے اور بھاگم بھاگ جانا ہوتا' برہان وغیرہ اسکول میں اس کا انتظار کر رہے ہوتے' اسے دہرا فاصلہ طے کرنا پڑتا پہلے اپنے اسکول سے ان کے اسکول جاتی انہیں ساتھ لے کر گھر آتی' اس بھاگ دوڑ میں صرف دو ماہ ہی میں اس کے کالے جوتے پھٹ گئے' مس بہت ناراض ہوئیں کہ ابھی تو پورا سال پڑا ہے ایسے کیسے جوتے پھٹ گئے' آگے سے اس کی دو دو تین تین انگلیاں باہر کو نکلتی تھیں' پرنسپل صاحبہ کو بتایا انہوں نے اسے آفس بلا لیا' پہلی بار رفو کی آنکھیں دھندلائیں۔

''مجھے اسکول سے نہ نکالیے گا میڈم جی!'' اس نے ہاتھ جوڑ کر جھٹ کہا' میڈم بے چاری شدید صدمے میں آگئیں یہ تو انہیں معلوم ہی تھا کہ وہ بن ماں باپ کی بچی ہے پوچھنا تو صرف اتنا تھا کہ ''جوتے اتنی جلدی کیسے پھٹے' کیا اتنی سی احتیاط بھی نہ کی کہ وہ چھ سات ماہ ہی چل جاتے۔'' اسکول فنڈ سے اسے نئے جوتے پھر سے مل گئے اب رفو کو عقل آئی کہ جوتے کیسے پھٹتے تھے؟

مامیاں اسے اپنی پرانی چپلیں دے دیتی تھیں جب کہ وہ خود باٹا' سروس کی خرید لاتیں تو پرانی اسے دے دیتیں' ان کے جتنے اس کے پیر تو نہیں تھے لیکن وہ بڑی بڑی جوتیاں پیروں میں اڑس کر پھرتی رہتی حسن اور زبیر کی مردانہ چپلیں بھی اسے مل جاتی تھیں اور زنیرہ کی بھی لیکن جتنی بھی جوتیاں

اسے ملتی تھیں ان میں سے ایک بھی اس کے باپ کی نہیں ہوتی تھی اور گھر میں تو وہ ننگے پاؤں بھی گھوم لیتی تھی' اب اس نے یہ کیا کہ انہی چپلوں میں سے ایک کو پہن کر گھر سے نکلی۔ اسکول کی طرف بھاگتے بڑی بڑی چپلیں پیروں میں سے پھسل پھسل جاتیں لیکن وہ بھاگتی رہتی' اسکول میں باتھ روم کے ایک پوشیدہ کونے میں چھٹی کے وقت جوتے رکھ جاتی اور صبح آتے ہی وہ جوتے نکال کر پہنتی اور جوتیاں وہاں رکھ دیتی' اس طرح جوتے چمکتے دمکتے بھی رہتے اور پٹیں گے تو اب شاید ہی کبھی۔

اس کی جماعت میں پچاس سے زائد لڑکیاں تھیں جلد ہی وہ استانیوں کی نظر میں آ گئی ان کے آنے سے پہلے تختہ سیاہ پر سبق لکھ دیتی' لکھائی اچھی تھی اس کی مس پہلے ہی بتا دیتیں کہ ''رافعیہ کل یہ سبق نمبر..... صفحہ نمبر..... اور یہ پہلا گراف لکھ دینا میرے آنے سے پہلے۔'' وہ سمجھ جاتی اور لکھ دیتی۔ ریاضی کی مس سوال لکھوا کر حل کروا دیتیں اور پھر تختہ سیاہ کے قریب ہی کرسی پر بیٹھے بیٹھے بڑے فخر کی مدد سے تختے کی طرف اشارے کر کر کے سمجھا دیتی وہ پھر مٹا کر اگلا سوال لکھتی اور اسے حل کر دیتی۔ جو نہ سمجھ میں آتا تو مس بتاتی جاتیں کہ ایسے ایسے کرو اور وہ کرتی جاتی اور حل کر لیتی۔ دوسری ہم جماعتیں بعد ازاں اس سے سمجھ لیتیں' امتحانات میں لڑکیوں کی کوشش ہوتی کہ رفو کے آگے پیچھے بیٹھنے کی جگہ مل جائے۔

اسکول میں نہ وہ کھیلتی نہ ہی باتیں کرتی وہ' یہ سب کر لیتی اگر اس کے پاس وقت ہوتا وہ جلدی جلدی اپنا سبق یاد کر رہی ہوتی' آدھی چھٹی میں لکھنے کا کام کر رہی ہوتی' اگر کوئی مس کسی دن نہ آئی ہوتی تو وہ ٹھک وہی سبق پڑھ رہی ہوتی جو اس دن متوقع پڑھایا جانا ہوتا۔ گھر میں کسی کو خبر نہ ہوتی کہ کب اس کے امتحانات ہوتے ہیں' نتیجہ کب ہے' بس وہ جو چھ سات گھنٹے اسکول میں گزارا آتی یہی بہت احسان تھا ان سب کا' دن کے برتن رکھے ہوتے اس کے لیے وہ آتے ہی دھوتی۔ وہ جانتی تھی کہ کام تو اسے کرنے ہی ہیں اور صرف اسے ہی کرنے ہیں۔ جھاڑو لگاتی' گیلے کپڑے سے فرش رگڑتی' اندر باہر سے سارا گھر دھوتی' وہ اتنی تیزی سے یہ سب کام کرتی کہ لگتا کوئی کام کیا ہی نہیں۔ ابھی سارا گھر گندا پڑا ہے وہ بجلی کی طرح چیزیں سمیٹ کر کمروں میں جھاڑو لگا کر فرش چمکا کر دوسرے کام کی طرف پلٹ جاتی۔ وائپر پر اس کا ہاتھ اتنی رفتار سے چلتا کہ وائپر مشین کی موٹر لگتا ہے جو بٹن دبانے سے ہی کام کیے جا رہا ہے۔ ابھی سارا باورچی خانہ گندا پڑا ہے' اب رفو اندر گئی اور پھر منٹوں میں گند صاف ہونے لگا۔ جھٹ پٹ برتن دھل رہے ہیں' فریج اور الماریاں صاف ہو رہی ہیں تو دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ کام تو کوئی تھا ہی نہیں۔ برتن تو ہمیشہ کے دھلے رکھے ہیں' گھر تو گندا ہوتا ہی نہیں' کپڑا ابھی کوئی استری ہونے والا نہیں' ابھی دو دن پہلے ہی کپڑے دھونے کی مشین لگی تھی اب تو ایک گندا کپڑا نہیں بچا۔ اتنا سا آٹا گوندھنا ہے اتنی سی روٹیاں بنتی ہیں' سالن بنا ہوتا ہے روٹی بنا کر برتن لگا کر پھر سمیٹنے میں کتنا وقت لگتا ہے بھلا؟ اتنے سے کام تو جھٹ پٹ ہو ہی جاتے ہیں لیکن یہ سارے کام جھٹ پٹ ہو بھی جاتے تھے تو اس کی ہمت اور حوصلے سے' ڈیڑھ کنال کے اس گھر میں تین ماموؤں کے تین الگ الگ حصے تھے۔

ہر ایک کے حصے میں دو بڑے کمرے تھے' سب کا مشترکہ ٹی وی لاؤنج' ڈرائنگ روم' کھانے کا کمرا' مشترکہ بڑا باورچی خانہ' آگے پیچھے برآمدے اور صحن' اوپر کے دو حصن اور زبیر کے کمرے' یہ دور تک پھیلی ہوئی جناتی چھت' جس پر جھاڑو لگانے لگو تو آدھا گھنٹہ لگ جائے' کام کرنے والا مل جائے تو انسان بہت صفائی پسند بن جاتا ہے۔ سلیقے اور گن والا' ایک ملازم مل جائے تو انسان کو سب کام کروانے آ ہی جاتے ہیں۔ آگے پیچھے سے صحن میں دونوں مامیاں کہتیں کہ گملے اٹھا اٹھا کر اچھی طرح نیچے سے دھوئے' مٹی کا ایک ذرہ بھی نہ ملے انہیں' شیشے کی کھڑکیوں پر روز پانی کی بوتل سے چھڑکاؤ کرو' اخبار سے شیشے چمکاؤ۔ گرمیوں میں صبح و شام صحن دھو' شام سے پہلے اوپر کی چھت دھوتا کہ وہ ٹھنڈی ہو جائے' کیونکہ سب مرد اوپر سوتے تھے۔ سردیوں میں دھوپ نکلنے سے پہلے چھت کی صفائی ہو جانی چاہیے تاکہ صاف چھت پر بیٹھ کر مزے سے مالٹے اور مولی کھائی جائے۔ گندے کپڑے دو دن رکھے رہیں تو ان میں سے بدبو آنے لگتی ہے۔ اس لیے ہر صورت دو دن بعد چھت پر رکھی مشین لگا لی جائے' مامی کہتیں۔

''کتنا آرام ہے نا مشین لگانے میں' مشین سے کپڑے نکالتے جاؤ' قریب ہی رکھے پانی کے ٹب میں ڈالتے جاؤ اور ساتھ ساتھ پھیلاتے جاؤ' آرام سے کپڑے دھل جاتے ہیں۔'' کپڑے تو واقعی آرام سے دھل جاتے اگر اس کے اوپر

سے نیچے کے کاموں کے لیے سو سو چکر نہ لگتے۔ اتنے بڑے کنبے کے مکمل دھونے' انہیں چھت پر بچھا کر صرف ڈال کر رگڑنا' کھیس' چادریں' استر' غلاف اور نہ جانے کیا کچھ اور..... وہ تو رفو تھی اس ساری مشقت کی بہت اچھی طرح سے عادی تھی کوئی اور اتنا کام کرتا تو دو دن بعد ہی ہسپتال جا کر ڈرپ لگواتا۔ چھت پر قالین' کارپٹ بچھا کر برش سے رگڑ رگڑ کر دھوتی تو دھوبیوں کی بھی استاد لگتی۔ مہینے بعد ایک کو صفائی کا بخار چڑھتا اور اپنے حصے کے کمروں کی خوب صفائی کرواتیں۔ جنوں کی طرح وہ سامان ادھر اُدھر کرتی' ایک ایک دیوار جھاڑتی' صرف ڈال کر فرش رگڑتی' دس دس فٹ لمبے اور وزنی پردے بھگو بھگو کر دھوتی۔ استری کرتی انہیں دوبارہ لگاتی' ایک کو دیکھ دوسری کو خیال آتا' دوسری سے تیسری کو۔ ایک ایک الماری صاف کرواتیں' سلیقے سے کپڑے رکھواتیں' خود ساتھ ساتھ کارآمد اور بے کار چیزوں کی چھانٹی کرتی کیا رکھنا ہے کیا پھینکنا ہے۔

اس کا اپنا کمرا پچھلے صحن کی طرف تھا' بڑی مامی کے کپڑوں کی الماری' چند صندوق اور ایسا ہی دوسرا سامان رکھا تھا اور اس سامان میں جگہ بنا کر اس کی چارپائی بچھی ہوئی تھی پھر اسے پلنگ مل گیا۔ پہلے یہ پلنگ حسن اور زبیر کا مشترکہ تھا انہیں ماموں نے الگ الگ نئے لے دیئے اور ان کے کمرے بھی الگ کر دیئے تو یہ اسے مل گیا پلنگ کی حالت بہت اچھی تھی بس وہ ہلتا بہت تھا' بیٹھو لیٹو' کروٹ بدلو ہلتا اور آواز دیتا تھا۔ رفو نے بہت کوشش کی وہ جان سکے کہ وہ اتنا ہلتا کیوں ہے پر وہ ناکام رہی۔ اس نے جب اردو اچھی طرح سے پڑھنی لکھنی سیکھ لی تھی اور وہ کتاب کو روانی سے پڑھ لیتی تھی تو اس نے اسی کمرے میں رکھی نانا کی چند کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ یہ کتابیں وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ہی پڑھ پاتی یا اکثر جب دو مامیاں ایک ساتھ اپنے میکے چلی جاتیں یا گرمیوں کی ہی چھٹیوں میں کسی دوسرے شہر کسی بھائی' بہن کے پاس رہنے چلی جاتیں تو ایسے دنوں میں وہ جلدی جلدی کام نپٹا کر کمرے میں آ کر ان کتابوں کو گود میں رکھ لیتی۔ وہ پڑھتی جاتی لیکن چند ایک باتیں ہی اسے ذرا زیادہ سمجھ میں آئیں اس نے ایک بار کتاب میں ایک بات پڑھی اور اسے یہ بات بہت اچھی لگی۔

''ہاتھ کو کام میں' زبان کو منہ میں اور دماغ کو غور و فکر میں رکھو۔'' اس بات کو وہ سمجھ گئی' وہ اٹھتے بیٹھتے اس قول کو یاد کرتی۔

''ہاتھ کو کام میں' کام کرتی جاتی کہتی جاتی ''زبان کو منہ میں'' تو زبان منہ میں ہی تھی اور ''دماغ تو تھا ہی کتابوں میں مگن۔''

اس نے اسی گھر میں آنکھ کھولی تھی یہی ماحول دیکھا تھا تو اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ اچھا ہو رہا ہے یا بُرا لیکن جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی جا رہی تھی وہ اکثر دکھی ہو جاتی۔ زخمی ہاتھوں اور بخار میں بھی جب وہ کام کرتی تو اسے معلوم ہو ہی جاتا کہ اس کے ساتھ ٹھیک نہیں ہو رہا اور اکثر اس کا جی چاہتا کہ اسکول میں ہونے والے مینا بازار میں وہ بھی جائے' وہاں لگے جھولے جھولے' نت نئے کھانے کھائے' کھیلے مزے کرے اور وہ ایسا نہ کر سکتی تو افسردہ ہو جاتی۔ انسانی فطرت ہے اور پھر ہر دم ابلیس کے بہکاوے کا ساتھ ہے۔ تو اس کے اندر بہت شکوے سر ابھارتے ہیں اور جب اس نے پڑھا کہ زبان و دل کو شکوے شکایتوں سے پاک رکھو تو اس نے اس پر عمل کا ارادہ کر لیا' اس کا ماننا تھا کہ کتابوں میں جو باتیں لکھی ہوتی ہیں وہ بہت سچی اور اچھی ہوتی ہیں تو وہ ان سچی اور اچھی باتوں کو کیوں نہ اپنائے۔ کتاب ہی اس کی پہلی محبت تھی وہ کتاب میں لکھے لفظوں اور بنی تصویروں پر محبت سے ہاتھ پھیرتی رہتی' اسے یہ بھی محسوس ہوا کہ اس کا دماغ غلط طرف جا رہا ہے' رات مامی نے اسے کس بُری طرح سے جھڑکا یہ سب سوچنے کی بجائے اسے تو کچھ اور سوچنا چاہیے' وہ جو کتابوں میں لکھا ہے' نارتھ پول اور ساؤتھ پول کیا ہیں؟ بحر کسے کہتے ہیں؟ خط استوا کیا ہے؟ نیوٹن کے قانون؟ خلفاء راشدین اور ان کے افکار' حقوق و فرائض' کلیے اور فارمولے' قانون کی تعریف' کمپیوٹر کی اہمیت' سائنس کی ترقی' نئی ایجادات' کتنا کچھ ہے غور و فکر کرنے کے لیے وہ اپنی تکلیف اور دکھ پر ہی کیوں کڑھے؟ افراد خانہ کے رویوں کے بارے میں ہی کیوں سوچے؟

تو اس نے ہاتھوں کو قلم اور گھر کے کاموں میں لگا دیا' زبان بند تو پہلے ہی تھی اب خاموشی کے شکووں سے بھی گئی اور دل و دماغ پر کتابیں حاوی ہو گئیں۔

❁.....❁.....❁

اسے اس گھر میں کھانے کو مل رہا تھا' سونے کو جگہ مل رہی تھی' اسکول جا کر وہ پڑھ رہی تھی اور اسے کیا چاہیے تھا؟ رفو نے خود سے کہا کہ اس کے لیے یہی بہت ہے اسے اس سے زیادہ کی تمنا ہے نا امید.....

بڑی اور منجھلی مامیاں ذرا موٹی تھیں تو ان کے کپڑوں میں وہ مضحکہ خیز سی لگتی اگر باہر سے آنے والا کوئی بھی اسے ان کپڑوں میں دیکھ لے تو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوجائے اس کا قد اچھا دراز نکل رہا تھا پھر بھی ان کی قمیص اسے لمبی ہوتی ڈھیلی تو وہ بہت ہی ہوتی تھیں اتنا وقت نہیں ہوتا تھا اس کے پاس کہ انہیں کاٹ کر چھوٹا اور ذرا سا تنگ ہی کرلے۔

گرمیوں کی چھٹیاں آئیں تو بڑی مامی نے اسے سلائی سینٹر بھیج کر سلائی سکھادی۔ لان کے ایک جوڑے کے ڈھائی سو روپے سلائی دیتی تھیں وہ تین سو روپے مہینے پر تین مہینے میں اسے سلائی سکھادی اب گھر میں ایک اور طرح کا فساد چھڑ گیا' جلدی جلدی مامی اس سے کام کروا کر مشین کے آگے بٹھا دیتیں اپنے کپڑے' گڑیا کے اپنی بہن اور بھانجیوں کے اپنی اماں کے بھابیوں کے...... مسئلہ اب بھی رفو نہیں تھی مسئلہ یہ تھا کہ منجھلی اور چھوٹی مامی کے کام رک جاتے تھے' اب شام کو ان کے سروں میں تیل کون ڈالے؟ ان کے کمرے کون سمیٹے؟ صفائی کون کرے؟ بڑی مامی تو صرف اپنا کام کروا کر اسے مشین پر بٹھا دیتیں۔

''اے رفو آجا۔'' کسی ایک کی آواز آتی وہ اٹھ کر جانے لگتی مامی پکڑ کر بٹھا دیتیں وہ سر پر آ کر اسے سناتی اور بڑی مامی بڑے آرام سے کہتیں۔

''پیسے لگا کر سکھایا ہے کپڑے نہیں سیئے گی تو بھول جائے گی۔''

ایسے تو ایسے ہی سہی' باقی دو نے بھی خوب کپڑے دینے شروع کیے' دو تین گھنٹے لگا کر وہ سب کے کپڑے کاٹ کر پاس رکھ لیتی رات گئے تک سلائی کرتی رہتی۔ سلوانے والیوں کو ہر کپڑا جلدی ہی چاہیے ہوتا تھا' رات میں جانا ہے تو صبح ہی بازار بھاگتیں شام تک سلوا کر ہی دم لیتیں' درزیوں نے بہت رلایا تھا اب سکون تھا' رفو زندہ باد......!

اب ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ دو گھنٹے سے سلائی کررہی ہے تو باورچی خانے میں پڑے گندے برتن کوئی اور دھولے گا' کپڑے کوئی اور استری کرے گا' آٹا' روٹی' سبزی یہ سب کوئی اور کرے گا۔ یہ سب اسے ہی کرنا ہوتا تھا۔ وہ کمرے میں رکھی مشین پر کام کرتی رہتی' سب سو رہے ہوتے اور اس کی مشین چل رہی ہوتی' اگلے دن صبح انہیں ہر حال میں کپڑے تیار ہوئے چاہیے ہوتے ورنہ اس کی اسکول سے چھٹی کروالی جاتی اور اسکول سے چھٹی وہ کرنا نہیں چاہتی تھی اس لیے ساری رات ہی کیوں نہ جاگنا پڑے وہ جاگ کر سلائی کرکے ہی سوتی۔ اگر کام زیادہ تھے تو اس ہمت بھی مضبوط تھی۔ ناں کا لفظ اس نے سیکھا نہیں تھا' سنا ہوتا تو سیکھتی۔ ماں نے کبھی ناں نہیں کی تو وہ کیسے کرتی اور کر بھی لیتی تو اس سے حاصل کچھ بھی نہیں تھا وہاں اس کے ماں باپ نہیں تھے جو اس کے لاڈ اٹھاتے۔

❁......❁......❁

میٹرک بورڈ کے امتحانات میں بھی وہ اول آئی' اس کی تصویر آئی اخبار میں۔ ماموں کو محلے کے ایک دو لوگوں نے اخبار دکھایا وہ اس وقت چھت پر کپڑے دھو رہی تھی' گڑیا بھی پاس ہوگئی تھی' فون پر فون کررہی تھی اپنی سہیلیوں کو۔ مامی نے خاص کھانا بنایا تھا اس خوشی میں۔

زبیر اور حسن کالج جاتے تھے' زنیرہ بھی۔ گڑیا اور وہ میٹرک کرچکی تھیں' باقی گڑیا کا بھائی طاہر منجھلی مامی کے کامران اور درخشاں اور چھوٹی مامی کے برہان اور نیلوفر ابھی بھی اسکول ہی جاتے تھے' مامیوں نے کہا کہ وہ ان سب کو پڑھایا کرے' اپنے اول آنے کی اسے خاک خوشی ہوئی تھی' دکھ اسے یہ تھا کہ اسکول جانا اب ختم ہوگیا تھا' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ چھپ کر رو پڑی' ماموؤں کی تو کبھی کبھار ہی اس پر نظر پڑ جاتی اور مامیوں کو کام ہی پیارا تھا' اتنی اتنی فیس دیتی تھیں اب وہ انہیں مفت پڑھائے گی آخر کو اسے پڑھایا کس دن کے لیے تھا۔

فریج' چولہے' برتن' الماریاں' کھڑکیاں' قالین' کارپٹ' کمبل ہر چیز فرصت سے صاف کروائی جانے لگی' لحافوں میں گلدیں ڈلوائے' دو کالجوں سے اس کے گھر کے پتے پر لیٹر آئے' وہ اول آئی تھی تو ہر کالج اسے نشست دینے کے لیے تیار تھا لیکن گھر والے تیار نہیں تھے۔

گڑیا اپنی پسند کے کالج چلی گئی مامی نے چاہا کہ وہ زنیرہ کے کالج ہی میں داخلہ لے لے اس نے اپنی سہیلیوں کے کالج میں داخلہ لیا' رفو گھر رہ گئی۔ وہ پرائیوٹ ایف اے کوششیں کرکے پڑھ سکتی تھی لیکن اس نے کمپیوٹر پڑھنا تھا اور وہ یہ مضمون پرائیوٹ نہیں پڑھ سکتی تھی۔

وین آتی اور گڑیا کو لے کر چلی جاتی' سالوں بعد ان تین خواتین نے سکون کا سانس لیا تھا جبکہ وہ بے کل تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کالج کا لفظ بھی اس نے منہ سے نکالا تو بہت فساد ہوگا

پھر کالج تھا بھی بہت دور! اسے اسکالرشپ پر داخلہ تو مل جاتا بس کا کرایہ روز کہاں سے ملتا' کبھی کبھار تو ماموں سے اسے پیسے مل جاتے تھے وہ اسکول میں کوئی کاپی پنسل خریدنے کے لیے رکھ لیتی تھی' اب وہ روز روز ان سے کیسے پیسے لے سکے گی جب کہ سارا خرچہ ہی مامیوں کے پاس ہوتا تھا۔

رفو فراغت سے ان کے ہاتھ آ گئی تھی' تعلقات کو مضبوط بنانے میں بھی کام آنے لگی' کسی جاننے والے کے یہاں تقریب ہوتی تو پیغام بھجوا دیا جاتا کہ ''رفو کو بھیج دیں'' یہ کام بڑی مامی کی بڑی بہن سے شروع ہوا' ان کے یہاں پہلی بیٹی کی شادی تھی مامی نے جھٹ پندرہ دن پہلے بھیج دیا' اس کی کارکردگی سے سب واقف ہی تھے آتے جاتے تو رہتے ہی تھے اب کوئی دوسرا اسے اس طرح دیکھ لیتا تو وہ بھی بلا لیتا۔

آئے دن یہ ہونے لگا' ایسی تقریبات میں رفو کو بہت آرام ملتا' اسے وہاں سب کام والی نہیں سمجھتے تھے بے شک بلاتے کام کے لیے ہی تھے لیکن صرف اس اکیلی سے کام نہیں کرواتے تھے۔ ایک دو کام والیاں اور بھی رکھی ہوتی تھیں' رفو کو بلاتے تو اس گھر کے کسی لڑکی کے اس کے ناپ کے اچھی حالت کے کپڑے بھی دیتے تھے' سونے کو زیادہ وقت ملتا' کھانے کو زیادہ کھاتا' کرنے کو مناسب کام' یہ نہیں کہ اسے وہ انسان سمجھنا ہی چھوڑ دیتے تھے' آتے ہوئے اسے نئے کپڑے اور پیسے دیتے' جسے وہ جس مامی کے رشتے دار کے یہاں گئی ہوتی ان کو لا کر دے دیتی۔ وہ ایک ایک چیز کو دیکھتیں اور حساب لگاتیں' یہ سب لیا دیا بھی لین دین کے کھاتے میں آجاتا کہ ناک برابر دیا کہ نہیں۔

اگر کسی ناچاقی یا کسی اور بنا پر نہ جانے دیا جاتا تو اچھی خاصی ناراضی ہوجاتی۔ دور پرے کے بہت سے رشتے دار تھے جو اسے بلاتے تھے' انکار کردیا جاتا تو صاف صاف پوچھا جاتا۔

''آپا رفعت کے ہاں کیوں بھیجا؟''

''آپ کی اماں کی چچازاد بہن ہوں میں' رفو کی خالہ لگی تو خالہ کا بھانجی پر اتنا بھی حق نہیں کہ اسے ہفتہ اپنے پاس ہی رکھ لے؟''

اتنی بحث و تکرار ہوتی کہ اسے بھیج ہی دیا جاتا' بھیجتے کو وہ اس ہر جگہ بھیج دیں لیکن پیچھے گھر کون دیکھے' بھاگ بھاگ کر کام کون کرے سب گئے' حساب کتاب کرکے دیکھا جاتا جہاں سے زیادہ ملنا ہوتا وہاں وہ اسے جانے دیتیں۔ اس نے یہاں بھی اپنے لب نہ کھولے تھے۔

❁......❁......❁

گڑیا پچھلے ایک ہفتے سے کالج نہیں جارہی تھی' پھر وقفے وقفے سے دو دن چلی جاتی' دو دن ایسے ہی چلتا رہا پھر اس کے سالانہ امتحانات ہوگئے' نتیجہ آیا تو مامی رفو کے کاغذات نکلوا کے کالج لے گئیں' آرام سے اسے اسکالرشپ پہ داخلہ مل گیا' اس کا کالج میں داخلہ ہوگیا جب وہ کالج جانے لگی تو بڑی مامی نے کمرا بند کرکے اسے بڑی لمبی ہدایات دی تھیں کہ کیسے اسے ہر وقت گڑیا کے ساتھ ساتھ رہنا ہے' اس کی کڑی نگرانی کرنی ہے۔ ساتھ مامی یہ یاد کروانا نہیں بھولی کہ اسے یہ بات صرف اپنے تک ہی رکھنی ہیں' وہ کیسے بھولتی...... بھولتی تو مامی اس کا گلا نہ دبا دیتیں۔

مامی کا بڑا خواب تھا کہ گڑیا ماسٹرز کرے' کالج سے تو اسے ہٹا ہی نہیں سکتی تھیں کہ خاندان کے سارے بچے یونیورسٹی تک پڑھنے جارہے تھے وہ کیسے گڑیا کو یونیورسٹی نہ بھیجتیں بس زبیر ہی ذرا غصے کا تیز تھا کہیں اندر باہر اسے دیکھ لیا تھا' یہی کہتا تھا کہ آئندہ دیکھا تو کالج نہیں جانے دے گا۔ ساتھ ساتھ مامی کو یہ بہت فکر تھی کہ چھوٹی سی بات باہر نہ نکل جائے۔ رفو نامی حل تو ہمیشہ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہی تھا' گڑیا کے ساتھ رہے گی تو گھر آ کر ٹھیک ٹھیک خبر تو دے گی نا۔

رفو نے زندگی میں بہت کام کیے تھے پر یہ گڑیا کی نگرانی والا کام اس سے ہو نہیں پارہا تھا' وہ اس کے پیچھے رہتی کہ وہ جماعت میں پیریڈ لینے گئی ہے نا...... وہ چلی جاتی تو خود اپنی جماعت میں آتی' کالج میں سارا وقت اسے گڑیا پر نظریں ٹکائے رکھنی پڑتیں' گھر جاتے ہی مامی ایک ایک بات پوچھتیں' کس کس لڑکی سے بات کی؟ جس لڑکی سے بات کی وہ کیسی تھی' تیز ہوگی' مکار اور خرانٹ ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

ہر روز ہی وہ ایسے کئی سوالوں کا جواب دیتی' گڑیا کو بھی معلوم ہوگیا کہ اس کی اماں نے ایسے ہی رفو کو کالج میں داخل نہیں کروایا منہ تو اس کا بہت بنا پر وہ کر کچھ نہیں سکتی تھی اور ساتھ یہ بھی مانتی تھی کہ رفو تو خود اس کی اماں کے حکم کی پابند ہے بلکہ صرف ایک رفو ہی سب کے احکامات کی پابند ہے کیا چھوٹوں کیا بڑوں کے......

بری گڑیا بھی نہیں تھی بس ایک دو بار اپنی سہیلیوں کے

ساتھ برگر آئس کریم کھانے چلی گئی تھی۔ وہیں زبیر نے دیکھ لیا' ماں کو بھی عقل آئی کہ یہ نہ ہو کہ آج سہیلیوں کے ساتھ نکلی ہے کل کو کسی اور کے ساتھ نکل جائے۔ ناسمجھ ہے دوسروں کے ورغلانے میں آجائے گی' دوسرا یہ خطرہ کہ اگر زبیر کی جگہ کوئی اور دیکھ لیتا تو بات کیا سے کیا بن جاتی۔

زبیر دونوں کو صبح کالج چھوڑ جاتا' آتے ہوئے رفو گڑیا کو بٹھا کر خود پاس ہی کھڑی ہو جاتی' وین چل پڑتی تو خود بس اسٹاپ کی طرف آجاتی۔

کالج کی پڑھائی ذرا مشکل تھی پھر اس نے کمپیوٹر کا مضمون رکھا تھا تو اسے زیادہ وقت چاہیے ہوتا تھا پڑھنے کے لیے جو اس کے پاس ہوتا نہیں تھا' کالج میں بھی اسے تھوڑا وقت مل ہی جاتا تھا۔

رات گئے سوتی تو فجر کے وقت اٹھ جاتی' اب وہ فجر سے بھی ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے ہی اٹھتی تھی اور ٹھیک اسی وقت ایک گھنٹے کے لیے بھی بجلی جاتی' وہ باورچی خانے کے گیس لیمپ کو جلا کر کتاب پکڑ لیتی۔ گیس لیمپ ذرا اونچائی پر لگا تھا اور روشنی کم دیتا تھا تو وہ لیمپ کے عین نیچے جا کر کھڑی ہو کر گھنٹہ بھر پڑھتی رہتی' ساتھ ساتھ لکھتی جاتی' ویسے تو کوئی اس وقت اٹھتا نہیں تھا لیکن اگر اٹھ کر وہاں آجاتا تو اسے اس وقت کھڑے دیکھ کر یقیناً ڈر جاتا' وہ جلدی جلدی ایک ایک کر کے کتابیں پڑھ رہی ہوتی۔ گھنٹے بعد بجلی آتی تو گیس لیمپ بند کر کے کمرے میں آکر پڑھنے لگتی۔ باقی کمروں میں یو پی ایس کا کنکشن تھا اگر اس کے پاس ایک بیٹری لائٹ بھی ہوتی تو اس کے لیے بہت تھی۔

کالج میں ایک دن اسے اپنی ہم جماعت کی بہن گراؤنڈ میں چھٹی سے ذرا پہلے ریاضی کی مشق کرتی نظر آئی۔ وہ اس کے پاس ہی آکر بیٹھی تھی اور کتاب سامنے رکھ کر مشق حل کر رہی تھی' رفو نے ایسے ہی اس کے رجسٹر پر نظر ڈالی تو اس سے پین لے کر اسے سمجھانے لگی۔

لڑکی کافی دیر سے ایک ہی سوال حل کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس سے ہو نہیں رہا تھا۔ رفو نے ایک سوال حل کر کے اسے اچھی طرح سے طریقہ سمجھا دیا۔ چھٹی تک لڑکی نے تین سوال خود سے ہی حل کر لیے۔

چند دن گزرے تو اس کی ہم جماعت عنیزہ اس لڑکی کی بہن اس کے پاس آئی کہ وہ اسے ٹیوشن پڑھا دیا کرے۔ رفو کو بہت شرمندگی ہوئی کہ وہ کن الفاظ میں انکار کرے پڑھانے کو وہ اسے کیا سو بچوں کو پڑھا سکتی تھی لیکن پڑھائے کب اور کہاں؟

اس کے پاس اپنا پڑھنے کا وقت نہیں ہوتا تھا' وہ اگر ان کے گھر آ بھی جاتی تو کون اسے کام چھوڑ کر اسے پڑھانے دیتا۔ شرمندگی کے ساتھ ہی لیکن رفو نے اپنی مجبوری بتا دی' کالج کی لڑکیاں جانتی تو تھیں کہ یہ گڑیا کی پھوپی زاد ہے' اس پھوپی زاد پر ایک نظر ڈال کر ہی اس کا سارا احوال معلوم ہو جاتا تھا تو عنیزہ بھی سمجھ گئی۔

"بہت موٹے دماغ کی ہے سدرہ! سر بھی پڑھانے آتے ہیں لیکن اسے جلدی سمجھ نہیں آتی۔ تم سے سوال سمجھ کر گئی تو کہتی ہے انہی سے پڑھ لوں گی۔"

"پر وہ بہت لائق ہے' ذرا طریقے سے سمجھاؤ تو سمجھ جائے۔"

"وہ طریقہ شاید تمہیں ہی آتا ہے۔" عنیزہ بہت مایوس ہوئی۔ رفو الگ شرمندہ ہو رہی تھی' پر کیا کر سکتی تھی۔ اتنا کیا کہ چند دن بعد اس نے سدرہ کی کتاب اور رجسٹر منگوا لیا' سدرہ سے نشان لگوا لیے تھے کہ اسے کون سے کون سے سوال مشکل لگ رہے ہیں اور سمجھ نہیں آ رہے۔

کالج میں ہی اس نے تین سوالوں کو حل کیا اور ہر سوال کا حل اس ترتیب سے لکھا کہ درجہ بہ درجہ اسے ترتیب سے پڑھنے اور ذرا سی کوشش سے کوئی بھی حل کر سکتا تھا پھر آئے دن عنیزہ ایسے ہی کتاب اور رجسٹر ساتھ لے آتی اور وہ اس پر جواب لکھ دیتی سدرہ گھر میں مشق کر لیتی۔

"رافعیہ! ایک دن اتفاق سے یہ رجسٹر پاپا کے ہاتھ آ گیا۔" عنیزہ اسے رجسٹر کھول کر دکھانے لگی اس پر پین سے "ویل ڈن" لکھا تھا' کہہ رہے تھے۔

"کمال کی ترتیب اور طریقے سے جواب حل کیا ہے' کوئی بھی سیکھ جائے۔ مزید یہ کہ تمہاری دوست چھوٹی جماعتوں کی کتابیں بہت کمال سے لکھ سکتی ہے۔" رفو کو اپنی تعریف سن کر بہت خوشی ہوئی۔

"پاپا اخبار میں کام کرتے ہیں' کہہ رہے تھے اپنی دوست سے کوئی مضمون لکھواؤ' یقیناً بہت اچھا لکھے گی۔"

"میں کیسے لکھ سکتی ہوں؟" اس بات پر وہ حیران ہوئی۔

"یہ سدرہ کا کام بھی تو اتنی اچھی ترتیب سے لکھتی ہو' کیا

پہلے یہ کام کیا تھا؟" وہ چپ چاپ سوچنے لگی۔

"کوئی سا بھی لکھ دو پاپا میگزین میں چھپوا دیں گے۔"

"اچھا۔" رفو کو حیرت یہ تھی کہ کیا وہ کوئی ایسا کام بھی کر سکتی ہے جو کسی کی ضرورت حکم پر نہ ہو بلکہ اس کی قابلیت اور اپنی خوشی کے لیے ہو۔

"کیا تمہارے پاپا مجھے گائیڈ کر سکتے ہیں کہ کیسے لکھتے ہیں؟"

"ہاں! کیوں نہیں۔" اس نے مسکرا کے کہا۔

آنے والے دنوں میں عنیزہ نے اسے مختلف رسائل اور کتابیں لا دیں' ان میں مختلف مضامین تھے وہ یہ سب اٹھا کر گھر لے آئی اور تین راتیں سونے کی بجائے انہیں پڑھتی رہی۔ کالج میں آنکھیں ملتی' جمائی روکتی بار بار منہ دھوتی لیکن ان سب مضامین کو پڑھ کر ہی چھوڑا۔ یہ اس کا پہلا غیر تعلیمی کام تھا اور اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

اسٹاپ کی طرف پیدل آتے ہوئے بس میں بیٹھتے ہوئے' سبزی بناتے' جھاڑ پونچھ کرتے اس نے "تعلیمی اداروں میں غیر تعلیمی سرگرمیوں" پر ایک مضمون تیار کر لیا اور جلد ہی اسے آہستہ آہستہ لکھ بھی دیا۔ ایک ہی مضمون تھا جو وہ فی الحال لکھ سکتی تھی کیونکہ کالج میں وہ لڑکیوں کو تعلیم سے زیادہ مختلف اور دوسری سرگرمیوں میں حصہ لیتے دیکھتی تھی' اس نے مشاہدہ کیا اور اپنے مشاہدات لکھ دیے۔

اس نے مضمون لکھ کر عنیزہ کو دے دیا اور ٹھیک دو ہفتے بعد عنیزہ نے میگزین اس کے ہاتھ میں پکڑایا اور ساتھ ایک ہزار روپے۔

"پاپا نے کہا ہے کہ تم اور بھی ایسے ہی مضمون لکھ لکھ کر دیتی جاؤ' انہیں پسند آیا۔"

میگزین اور پیسے پکڑ کر اسے یقین نہیں آیا کہ ایسا ہو چکا ہے' اسے بہت بار تقریبات میں جانے پر ہزار روپے ملے تھے عید تہوار پر اسے بھی ماموں پیسے دے دیتے جو وہ اپنے کسی تعلیمی خرچے کے لیے بچا کر رکھ لیتی۔ کالج جو بیگ وہ لے کر آتی تھی وہ زنیرہ کا استعمال شدہ تھا' وردی گڑیا کی تھی جس کی قمیص اسے خاصی اونچی تھی' شلوار کھینچ کر اسے بار بار نیچے کرنی پڑتی' اس کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں تھا' اب یہ ہزار روپے اس کے تھے' وہ کینٹین گئی' برگر کھایا' باقی کے پیسے اس نے بچا کر رکھ لیے۔

اگر اس کے پاس وقت ہوتا تو وہ روز ایک مضمون لکھ کر عنیزہ کو دیا کرتی لیکن ایک وقت ہی تو اس کے پاس نہیں تھا۔ وقفے وقفے سے اس نے دو مضمون اور لکھ کر دے دیے۔

زنیرہ' حسن اور گڑیا کے پاس اپنے لیپ ٹاپ تھے' اکثر اسے بہت ضرورت پیش آتی لیکن اس کی ہمت نہ ہوتی ان سے پوچھ کر استعمال کرنے کی' وہ سب جانتے تھے کہ رفو باجی کام کرنے والی ان کی پھوپی زاد ہے۔ لائق فائق' اول آنے والی' ہر استانی جس کی تعریف کرتی ہے لیکن کیونکہ عزت پیسے سے ہوتی یا خاندان سے یا نام سے تو رفو کے پاس ان میں سے کوئی ایک بھی چیز نہیں تھی۔ اپنے خاندان کا حصہ تو وہ اسے مانتے ہی نہیں تھے' وہ اپنے باپ کا خون تھی' اسی خاندان کا حصہ تھی جس خاندان نے کبھی اس کو پوچھا نہیں تھا کہ وہ کہاں رہ رہی ہے' وہ سب رفو کو جانتے تھے اسے تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اسے کسی گنتی میں نہیں لاتے تھے جیسے کہ بانو قدسیہ کہتی ہیں کہ غریب رشتہ دار پی ایچ ڈی ہی کیوں نہ کر لے اس کی حیثیت نہیں بدلتی۔ تو رفو کی بھی حیثیت نہیں بدلی' اس پر کسی کو پیار نہیں آتا تھا' کسی کو ترس بھی نہیں آتا تھا اس کے لیے صرف کام یاد آئے تھے' اس کے کیے کام پیارے تھے۔ تین وقت کا کھانا جو وہ کھاتی تھی اس سے سود در سود وصول کرتے تھے۔

زبیر کا کمرا صاف کرتے اس نے دیکھا کہ اس کا لیپ ٹاپ ہینگ ہو چکا ہے اور وہ اسے بند کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے' رفو نے چند منٹ لیے اور لیپ ٹاپ ٹھیک کر دیا۔ پہلے وہ منہ اٹھا کر اسے دیکھے گیا پھر ایسے سر کو جھٹکا جیسے کچھ نیا تو نہیں کیا۔ ایسے ہی جیسے وہ اکیلی قالین دھو لیتی ہے' ہیٹر کے پائپ فٹ کر لیتی ہے تو یہ کام بھی سیکھ گئی' بس اس میں کون سی بڑی بات ہے۔

اب وہ تینوں اسے لیپ ٹاپ کے کاموں کے لیے بھی آوازیں دینے لگے۔ زیادہ نہیں لیکن وہ تھوڑے بہت مسئلے حل کر ہی دیتی۔ رجسٹری میں جا کر کچھ سیٹنگ بدل کر یا کریش ہو جانے والے کو ڈز کی ریپئرنگ کر کے' وہ کالج کی لائبریری سے کمپیوٹر سے متعلق کتابیں لے لے کر پڑھتی رہتی تھی اس کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا' ان کے ڈیپارٹمنٹ میں بھی کمپیوٹرز میں چھوٹے موٹے مسئلے ہوتے تو وہ کوشش کر کے ٹھیک کر دیتی تھی۔ مشق کر کر کے ہی انسان سیکھتا ہے اور مشق کے لیے اس کے پاس گھر میں کمپیوٹر نہیں تھا لیکن

دماغ ضرور تھا اور اگر دماغ کو استعمال میں رکھا جائے تو یہ کسی کمپیوٹر سے کم نہیں۔

❁.....❁.....❁

لمبے کھلے بدرنگ کپڑے پہنے وہ لگتی ہی نہیں کہ دو لفظ بھی پڑھی لکھی ہوگی' نقش و نگار اچھے تھے لیکن ان نقش و نگار پر فکر اور ڈر کا دباؤ اتنا تھا کہ وہ وحشت زدہ سی لگتی جیسے ہاتھ لگاؤ تو ڈر کے چیخ مار دے گی۔ اسے آئے دن یہی خوف لاحق رہتا کہ عین اس کے امتحانات کے دنوں میں خاندان میں کوئی تقریب نہ آجائے اور اسے وہاں بھیج دیا جائے کیونکہ اس سے تو پوچھا نہیں جائے گا۔

خیر سے تینوں مامیاں ایک سی ہی تھیں' بازاروں میں خریداری کے لیے جاتیں اور چھ چھ سو کی فرائی مچھلی کھا آتیں' ہزار پانچ سو پر ایک کام والی نہیں رکھ سکتی تھیں کہ جو دن میں ایک بار صفائی ہی کر جاتی۔ وہ نواسے توڑ کر منہ تک جانے کیسے لے جاتی تھیں' جیسی مائیں ویسی اولادیں۔ لڑکیاں وزن کم کرنے کے لیے شام کو ایک گھنٹہ چھت پر تیز تیز چہل قدمی کرتیں اور آوازیں دے دے کر پانی رفو سے منگواتیں۔

رفو کو تو ان سب نے مل کر جن بنا ہی ڈالا تھا' سب کے کپڑے دھلتے ہی استری ہو کر ہینگ کر کے الماری میں لٹکانے ہوتے۔ بجلی کا کیا بھروسہ کب چلی جائے اور کب کس جوڑے کی ضرورت پڑ جائے۔ رفو ساتھ ساتھ کپڑے دھوتی اور خشک ہو جانے والے کپڑوں کو اوپر ہی تخت پر استری کرتی جاتی' کسی کو اتنی توفیق بھی نہ ہوتی کہ استری شدہ کپڑے ہی اٹھا کر لے جائے اور اپنی اپنی الماریوں میں رکھ لے۔ وہ درجنوں ہینگرز اٹھا کر سیڑھیاں اترتی اور ایک ایک کر کے سب کی الماریوں میں رکھتی۔

"میری نیلی سینڈل دیکھی ہے رفو! وہ کپڑے پر کپڑا نچوڑ رہی ہوتی' گرمی میں ہلکان ہو رہی ہوتی پھر بھی کوئی نہ کوئی اپنا کام لے کر آجاتا۔

"باجی آپ کی الماری کے نچلے خانے میں رکھی ہے۔"

"مجھے تو نظر نہیں آئی آ کر دے دو بھئی۔" وہی اٹھ کر پانی نہ پینے والی عادت' بس سب کام کرے کرائے مل جائیں' وہ سارے کام چھوڑ کر نیچے جاتی الماری کے نچلے خانے سے سینڈل نکال کر دیتی پھر سے اوپر آتی۔

ہر بچے' بڑے' بوڑھے' جوان کے کپڑے' جوتے' بیگ' زیورات' استعمال کی دوسری چیزیں اسے ازبر تھیں حتیٰ کہ بالوں میں لگانے والی پنوں اور جرابوں کا بھی اسے ہی معلوم ہوتا۔ ظاہر ہے رکھتی وہ تھی نکال کر دیتی وہ تھی تو اسے ہی معلوم ہونا تھا کہ کہاں کیا رکھا ہے کس کا رکھا ہے۔ ہر تقریب میں جانے سے قبل ایسی ہی صورت حال ہوتی۔ لڑکے اور باکمال تھے عین وقت پر شرٹس ہاتھ میں پکڑے' وہ جھٹ پٹ دھو کر جلدی سے استری کرتی۔ اندر سے مسلسل رفو..... رفو کی آوازیں آرہی ہوتیں۔

"میری فلاں سینڈل..... فلاں بندے' فلاں دوپٹہ....."

جاتے جاتے مامی کو یاد آتا کہ چائے ہی پی لی جائے یا تھوڑی بہت روٹی ہی کھالی جائے نہ جانے وہاں کب تک کھانا ملے۔

تیار ہونے تک وہ اسے خوب نچا کر رکھتے' چلے جاتے تو اسے بہت آرام ملتا' پیچھے صرف ماموں ہی گھر میں رہ جاتے اور اسے ماموؤں کے رات کے کھانے کے لیے ہی گھر چھوڑا جاتا اور خود وہ منگنی' نکاح' سالگرہ کی تقریب میں چلے جاتے۔ وہ جلدی جلدی سب کے کمرے سمیٹتی' سردی ہوتی تو سب کے لحاف کمبل نکال کر ان کے بستروں پر رکھتی' گرمی ہوتی تو صحن میں بستر لگا دیتی' ماموں کھانا کھاتے' سو جاتے اور وہ کتابیں لے کر بیٹھ جاتی' کارٹون دیکھنے کا اسے بہت شوق تھا ٹی وی لگا کر کارٹون دیکھتی۔ جاگنا اس کے لیے مسئلہ نہیں تھا وہ آرام سے جاگ سکتی تھی ایک دو بجے تک وہ ان سب کے آنے تک جاگتی رہتی۔ وہ آتے تو نئے سرے سے ہنگامہ کرتے' چیزیں اتار اتار کر پھینک رہے ہیں' کسی کو پانی چاہیے کسی کو چائے کسی کو گرم دودھ' سر درد کی گولی..... ساتھ ساتھ وہ ان سب کی چیزیں سمیٹتی جاتی' صبح بھی تو اسے ہی کرنا ہوتا ہے وہ رات کو ہی سب کے کپڑے' جوتے سمیٹ لیتی۔

ایک دن منجھلی مامی کی کی بھانجی ملتان سے دو دن ان کے یہاں رہ کر گئی وہ یا روچی خانے میں کھڑی کھیر کے بڑے پتیلے میں کفگیر ہلا رہی تھی وہ چائے بنانے لگی تو رفو نے جھٹ کہا کہ وہ بنا دیتی ہے۔

"نا بھئی! اپنے گھر میں اٹھ کر پانی بھی نہیں پیتی لیکن اب ضرور پیوں گی۔" وہ مسکرائی۔

"مامی جی ناراض ہوں گی میں چائے بنا کر دیتی ہوں۔"

"تم سے اب چائے بنوائی رفو تو خدا بہت ناراض ہوگا' توبہ رفو! تم کتنا کام کرتی ہو' انسان ہو کہ مشین' اپنی آرام دہ

زندگی پر بوجھ ڈال کر مجھے تو بہت شرمندگی ہوئی' کہاں ہم ناشکرے اور کہاں تم صابر' اتنا کام کر کے بھی نہ تھکنے والی۔''

یہ انسان اور مشین والی بات اس نے چند اور لوگوں کے سامنے بھی کی۔ منجھلی مامی تو بھانجی کا لحاظ کر کے چپ ہو گئیں' باقی دو بُرا مان گئیں۔

''اتنا پڑھایا' لکھایا' کھلایا' تھوڑا کام کر دیتی ہے تو کیا جاتا ہے۔ ہر امتحان میں اول آتی ہے ایسے ہی نہیں آ جاتی' باقی بچے کیوں نہیں آتے؟ اتنا اتنا وقت پڑھتی ہے تو ہی پاس ہوتی ہے نا۔''

بھانجی فاخرہ تو تھوڑی سی شرم دلا کر چلی گئی لیکن الٹا سب نے فاخرہ کو ہی منہ پھٹ اور بدتمیز کہا۔ منجھلی مامی کو غصہ تو آیا لیکن بھانجی تو اپنی ہی تھی نا.....

ایسے ہی ایک بار گرمیوں کی چھٹیوں میں چھوٹی مامی کے بھائی کے بچے اور بھاوج مسقط سے رہنے کے لیے آئے۔ ان کا ہفتہ پندرہ دن سب کے یہاں باری باری رہنے کا ارادہ تھا' ان کے تینوں بچے رفو کے دیوانے ہو گئے۔ رفو دن میں انہیں تین تین بار نہلاتی' ان کے لیے پانی ابال کر بوتلوں میں بھر کر رکھتی' ٹوتھ پیسٹ کو برش پر لگا کر دیتی۔ مامی نے ایک بار بتا دیا تھا کہ یہ بچے کیا کیا کھاتے ہیں اور تازہ بنا ہی کھاتے ہیں' وہ جب جس بچے کو بھوک لگتی تب اسے تازہ پکا کر دیتی۔ شام کو رفو باجی کے ساتھ ضد کر کے قریبی پارک میں چلے جاتے' جہاں رفو باجی ان کے ساتھ ہر طرح کے کھیل کھیلتی' باقی گھر والے تو ان سب سے دور ہی تھے۔ بچے شور بہت کرتے تھے تو وہ بچوں کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ رفو انہیں گود میں اٹھا' انگلی پکڑ کر ساتھ لیے گھومتی' وہ بھی ساتھ چپکے رہتے۔

مامی کی بھاوج اگلے گھر جانے لگیں تو رفو کو مانگ لیا کہ جب تک مسقط واپس نہیں جاتیں رفو کو ان کے ساتھ کر دیں۔ چھوٹی مامی تو خوشی خوشی اجازت دے دیتیں پر مسئلہ باقی سب کا تھا پھر بھاوج کے ہاتھوں تحائف دلوائے سب کو اور پھر رفو کو اجازت ملی جانے کی' رفو ان کے ساتھ ہو گئی۔ بچوں کے لیے وہ صرف کام کرنے والی نہیں تھی وہ اس سے پیار کرتے تھے اس کے ساتھ خوش رہتے تھے اور انہیں وہ سنبھال بھی بہت اچھے سے لیتی تھی۔

ساہیوال' سانگھڑ' پنڈی' ایبٹ آباد' رفو ہر جگہ ان کے ساتھ رہی' ان تین بچوں کے کام ڈیڑھ کنال کے اس اتنے بڑے گھر کے مقابلہ میں کم ہی تھے۔ بچے آئس کریم کھاتے تو پہلا باجی کے منہ میں ڈالتے پھر خود کھاتے' ہر شہر کے بازار سے بھابی نے خریداری کی تو رفو کو بھی ڈھیروں چیزیں لے کر دیں۔ بچے اٹھا اٹھا کر چیزیں رفو کو پکڑاتے کہ ''یہ لیں..... یہ لیں'' تو بچوں کی ماں نے بھی خندہ پیشانی سے بل دیا۔ واپسی پر ساری خریداری اور ہزار ریال انہوں نے رفو کو دیئے۔ رفو نے حسب عادت آتے ہی سب چھوٹی مامی کو دے دیئے تو چھوٹی مامی نے شیخی ماری کہ ان کی بھابی رفو کو سونے میں تول کر گئی ہے۔ اس کے ناپ کی جو جوتیاں اسے لے کر دی گئی تھیں وہ تک مامی نے اسے نہ دی اور رفو کو افسوس بھی نہیں تھا اس نے چند کتابیں لی تھیں اور وہ اسی کے پاس رہنے دی گئیں اس کے لیے یہی بہت تھا۔ کپڑے' جوتے یہ سب اسے بھی اچھے لگتے تھے لیکن ان کے لیے وہ اپنی عزت نفس کو داؤ پر نہیں لگا سکتی تھی اگر اسے نہیں دیئے جا رہے تو ٹھیک ہے وہ لالچی اور خواہشوں کی غلام نہیں بننا چاہتی تھی اسے معلوم تھا کہ اس گھر میں اس کا کسی بھی چیز پر کوئی حق نہیں ہے۔

لیکن اگر ایک شخص مار کھائے جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے مارتے ہی جائیں' اگر کوئی چپ رہے تو اسے گونگا ہی سمجھ لیا جائے۔ کوئی حکم نہ مانے تو اسے غلام ہی بنا لیا جائے' اگر کوئی پوچھنے والا نہ ہو تو خدا کی پوچھ پڑتال کو بھی بھلا دیا جائے' اگر فرائض ادا نہ کریں' حقوق بھلا دیئے جائیں تو صرف ایک کام ضرور کرنا چاہیے ''خدا کا خوف''۔

وہاں جو پکتا تھا وہ نہیں کھاتی تھی جو بچتا تھا وہ کھاتی تھی۔ بنا پکوڑے کی کڑی' سبزی میں بچے آلو' گوشت کے سالن کا شوربہ' کھیر پکتی سب کے حصے الگ الگ نکال کر نام دے کر رکھ دیئے جاتے۔ وہ پتیلا صاف کرتی' مامی کہتی جتنی کھیر پتیلے کے پیندے سے لگی ہوئی ہے اس سے دو بندے سیر ہو جائیں رفو اتنی سیر ہو جاتی تھی کہ فریج میں رکھی کھیر پر ایک نظر بھی نہ ڈالتی۔ وہ تو مامی ہی کہہ دیتی تھیں کہ پتیلا صاف کر لے ورنہ وہ بھی نہ کرتی۔ اس نے اپنے اندر بھوک جاگنے ہی نہیں دی تھی سردیوں کے خشک میوے' گرمیوں کے پھلوں کے کریٹ' اس نے کبھی زبان سے رال ٹپکنے نہیں دی تھی۔ سب جانتے تھے وہ کوئی پھل نہیں کھاتی۔ اخروٹ کو توڑتے اسے کسی نے کبھی نہ دیکھا۔ عید اور دوسرے تہواروں پر بہت کیک' مٹھائی آتی بعد میں لڑائی ہوتی کہ کہاں گئی اتنی مٹھائی آئی تھی' کون کھا گیا؟

کس نے زیادہ کھائی' کس نے کم کھائی؟ لیکن اس سب میں بھی کوئی اس پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا کہ بچہ بچہ جانتا تھا کہ وہ مٹھائی نہیں کھاتی۔ اس نے اچھے وقت میں ہی خود کو اس شک سے پرے کر لیا تھا۔

مامیاں اس سے پیسوں کے حساب کرواتیں' الماری میں رکھواتیں' جانتی تھیں رفو مر جائے گی مگر ایک پیسے کا ہیر پھیر نہیں کرے گی۔ وہ جس ماحول میں جیسے بھی رہ رہی تھی اس نے خود کو اکیلے ہی اتنا مضبوط کیا تھا' وہ ہر سبق خود کو ایک بار یاد کروا کر بھولتی نہیں تھی اس پر قائم رہتی تھی۔

❁.....❁.....❁

منجھلی مامی زنیرہ کی شادی کی تیاری کر رہی تھیں اس کے خالہ زاد کے ساتھ بات طے تھی فی الحال تو سب بہت جوش و خروش سے تیاریاں کر رہے تھے۔ سارا سارا دن بازاروں میں گھوما جاتا' ڈھیروں سامان اٹھا کر وہ گھر لاتی' بازار گھر کے قریب ہی تھا سامان زیادہ ہو جاتا تو اسے سامان دے کر گھر رکھ آنے کے لیے بھیج دیا جاتا گھر رکھ جاتی پھر ہانپتی کانپتی انہیں بازار میں ڈھونڈ کر جا لیتی' شام تک ایسے ہی چلتا رہتا۔ وہ تو آتے ہی کمرے بند کر کے آرام کرنے لگتیں' رفو دو پنوں کو ٹانگوں پر باندھ کر باورچی خانے میں آ جاتی' کالج سے آنا پھر بازار جانا پھر بازار سے تین چار چکر اتنا وزن اٹھا کر لانے سے اس کی ٹانگیں ٹوٹنے والی ہو جاتیں' دو ماہ بعد اس کے امتحانات تھے' وہ بارہویں میں تھی اور گڑیا تیرہویں میں تو اسے یقین تھا کہ شادی عین اس کے امتحانات کے دنوں میں رکھ دی جائے گی۔ تاریخ رکھتے وہ یہ تھوڑی سوچیں گے کہ رفو کے تو امتحانات ہیں ذرا آگے پیچھے کر لیتے ہیں۔ تیاریاں تو یہیں بتا رہی تھیں کہ شادی کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔

وزن اٹھا کر چلتے وہ اتنا نہیں ڈگمگائی تھی جتنا یہ سوچ کر کہ اس کے امتحانات کا کیا ہوگا' خوف سے اسے رات رات بھر نیند نہیں آتی تھی۔ رونا بھی آتا تھا اس بار بھی ہر صورت اسے اول ہی آنا تھا ورنہ کون آگے اس کی فیس بھرتا۔ پوزیشن نہیں لے گی تو آگے کیسے پڑھے گی اور اگر صرف پاس ہی ہو گئی تو مطلب اس کی تعلیم ختم' وہ تو پاس ہونے کے قابل بھی نہیں پڑھ رہی تھی۔ کالج میں وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتی لیکن اسے لگ رہا تھا کہ وہ مشکل سے ہی پاس ہو گی۔

وہ دو تین مہینے بعد کے خوف میں مبتلا تھی کہ اس پر اس سے بڑی دوسری مصیبت آ گئی' بڑی مامی کے لاڈلے بھانجے کی شادی طے ہو گئی تھی' اس کے امریکہ سے آنے کا ہی انتظار تھا' آ گیا تھا تو شادی فوراً پندرہ دن بعد کی طے کر دی گئی۔ اتنی افراتفری تھی کام کرنے والے دس بھی کم تھے' وہاں سے فون آیا اور مامی نے اسے کپڑے رکھ لینے کے لیے کہا' پہلی بار کپڑے رکھتے وہ رو رہی تھی' مسئلہ کام کرنا نہیں تھا مسئلہ صرف اس کے امتحانات تھے' پندرہ دن پہلے اسے وہاں بھیج رہے تھے یعنی اب پندرہ دن وہ کالج نہیں جا سکے گی۔ روتے ہوئے اس نے کتابیں بھی ساتھ رکھ لیں' اسلام آباد جانا تھا اسے' مامی نے ٹرین میں بٹھا دیا' وہاں سے وہ آ کر لے گئے۔ گھر کافی بڑا تھا کام بھی زیادہ تھا' دوسرے ملکوں سے چند مہمان آئے ہوئے تھے' ان سب کی کنفرم فلائٹس پر ہی شادی کی تاریخ رکھی گئی تھی' دو اور کام والیاں بھی تھیں جو مہمان دبئی' انگلینڈ' امریکہ سے آئے تھے ان کے الگ الگ کام تھے۔ وہ آدھا گھنٹہ ہدایات دیتے کہ کس طرح کا کھانا کھائیں گے' کتنے بجے تک کھائیں گے' کیسی چائے پئیں گے' کیسی کافی..... رفو باقی دو کی نسبت ان کی پسند کے ذرا قریب قریب کام کر دیتی تھی۔ کافی بہت اچھی نہیں بنتی تھی لیکن تھوڑی اچھی بن جاتی تھی وہ شکر یہ کہہ کر پی لیتے تھے۔ ان میں سے انگلینڈ سے آئیں ایک خاتون کو شوگر اور بلند فشار خون کا مسئلہ تھا' ان کے کھانے پینے میں خاص احتیاط کرنی پڑتی تھی' وہ صبح سویرے چہل قدمی کے لیے جاتی تھیں' اچھی مشفق خاتون تھیں۔

لاہور سے مامی بھی آ گئیں' دوسرے مہمان بھی آ گئے' پہلی فرصت میں اس نے مامی کے سارے کپڑے نکال کر استری کیے اور انہیں ان کے کمرے کی الماری میں ترتیب سے لٹکا دیا۔ مامی کو عادت تھی واش روم میں جا کر رفو کو تولیہ کے لیے آوازیں دیتی' مایوں کے لیے لڑکی والوں کی طرف جانے کے لیے تیار ہوئیں تو رفو رفو آوازیں دیتی رہیں' ان کے ایک ہاتھ کا پھولوں کا گجرا نہیں مل رہا تھا' وہ کہیں رکھ کر بھول گئی تھیں اور اب رفو بھاگ بھاگ کر وہ گجرا ڈھونڈ رہی تھی۔

''یہ لیں مامی جی.....!'' وہ مامی کے کمرے کے واش روم سے لے کر آئی۔ مامی نے ہاتھ آگے کیے وہ پہنانے لگی۔

''یہ آپ کی بھانجی ہے؟'' انگلینڈ والی خاتون نے حیرت سے مامی کی طرف دیکھا۔ مامی کو ہاں کہنے میں بہت تامل ہوا اٹھ کر اپنا دوپٹہ سیٹ کرنے لگیں۔ رفو گجرے پہنا کر جا چکی تھی'

یہ لڑکی رفو روز ان کے ساتھ چہل قدمی کے لیے جاتی تھی اکثر انہیں چکر آجاتے تھے تو وہ کسی نہ کسی کو ساتھ لے جاتی تھیں اور روز اتنی صبح صرف رفو ہی جاگ رہی ہوتی تھی باقی سارے گھر والے اور دونوں کام والیاں بھی سو رہی ہوتی تھیں انہیں لگا وہ بھی کوئی کام والی ہے۔ وہ رفو کا نام جانتی تھیں اور بس وہ ان کی کوئی رشتہ دار ہے انہیں گمان بھی نہیں تھا۔

اگلی صبح چہل قدمی کے دوران ان کی معلومات میں اور اضافہ ہوا انہیں یقین نہیں آیا کہ مشین کی طرح کام کرتی لڑکی کالج بھی جاتی ہے۔ وہ فجر سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے اٹھ کر اپنی کتابیں پڑھ لیتی تھی باقی سب تو دس بجے اٹھتے تھے تو وہ اس دوران کافی کچھ پڑھ لیتی تھی۔ ان خاتون جنہیں سب رضیہ بھابی کہتے تھے کے ساتھ چہل قدمی سے واپس آکر وہ پھر سے پڑھنے بیٹھ جاتی تھی انہوں نے اس کے اماں ابا کے بارے میں پوچھا چند اور سوالات کیے اسی دن شام کو جس کمرے میں وہ تینوں کام کرنے والیاں سوتی تھیں وہ آئیں اور اس کی کتابیں دیکھنے لگیں بہت خوش ہوئیں۔

ان کے دو بیٹے تھے اور دونوں ہی شادی شدہ تھے وہ انگلینڈ سے اکیلی ہی اپنے دیور کے بیٹے کی شادی کے لیے آئی تھیں۔ بڑی مامی ذرا ان سے چڑتی تھیں ایک بار انہوں نے سب کے سامنے کہہ دیا جب وہ سب کو ناشتا کروا رہی تھی۔

"رفو بچے بس بیٹھ کر تم بھی ناشتا کرلو۔"

"میں کر چکی ہوں ناشتا!" ان کے کہنے پر رفو پریشان سی ہوگئی۔

"چلو پھر جا کر آرام کرو کتنا کام کرتی ہو تم تم یہاں شادی میں شرکت کے لیے آئی ہو یا کام کرنے۔" مامی نے گھور کر پہلے رضیہ بھابی کو دیکھا پھر اپنی بہن کی طرف دیکھا بہن الگ پہلو بدل رہی تھی اسی لیے انہیں یہ اپنی جٹھانی ناپسند تھی۔ آگے پیچھے تو کبھی کسی کی شادی میں آئی نہیں اس بار آگئی۔

اب مامی اور ان کی بہن یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھیں کہ یہاں کام کے لیے ہی آئی ہے کیونکہ آخر کو وہ ان کے میاں کی سگی بھانجی تھی۔ ان کی بہن کی پہلی اور آخری اولاد..... مایوں سے ڈھولکی اور ڈھولکی سے مہندی آگئی رفو کے کاموں میں ذرا سا فرق پڑا رضیہ بھابی اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتیں تھیں بہت تعریف کرتی تھیں اس کے ہاتھوں کے پکے پھلکوں کی چائے کی۔

رضیہ بھابی کو کم ہی لفٹ کروائی جاتی تھی پہلے تو دو بچے تھے جن کی وجہ سے انہیں پوچھ بھی لیا جاتا تھا اب تو وہ دونوں بھی انگلینڈ میں اپنی مرضی سے شادی کر چکے تھے تو اب ان کے آگے پیچھے کیوں رہا جائے؟

وہ گڑیا کے سینڈل صاف کر رہی تھی جب رضیہ بھابی کو یہ دیکھ کر حقیقتاً بہت افسوس ہوا۔

"گڑیا! اپنے جوتے تو کم از کم خود صاف کرو بہن ہے تمہاری صبح سے کام میں لگی ہوئی ہے۔" گڑیا قریب ہی بیٹھی نیل پالش لگا رہی تھی انہوں نے اتنے پیار سے کہا کہ گڑیا شرمندہ ہوگئی۔

"رفو! میں خود کرلوں گی۔" لیکن مامی کو بہت غصہ آیا سن کر مشکل سے ہی اپنی زبان اندر رکھی اپنی بہن کا جا کر سر کھایا۔

"ان کی بنی ٹھنی بیٹی کیا اپنے سینڈل خود صاف کرے گی؟"

"میں تو خود بہت عاجز ہوں اس سے آپا۔" بہن نے الٹا شکوہ کیا۔

"اب اگر یہ کچھ بولی تو میں اس کا منہ توڑ دوں گی۔"

"توڑ دینا۔" وہ ہنسنے لگی۔

بارات آگئی ولیمہ اور چند دن اور گزار کر وہ سب لاہور واپس آگئے اور ٹھیک ایک ہفتے بعد رضیہ بھابی اپنی دیورانی اور دیور کو لے کر حافظ عبدالرحمٰن کے گھر موجود تھیں۔

"کیوں لائی ہو تم اسے یہاں؟" بڑی مامی کو بہنوئی کو دکھانے کے لیے خاطر مدارت کرنی پڑ رہی تھی۔

"کہہ رہی تھیں لاہور سے خریداری کرنی ہے آنا ہی پڑا۔"

دوپہر میں رفو بھی کالج سے آگئی آتے ہی اپنے کاموں میں لگ گئی۔ مہمانوں کے لیے جلدی جلدی کھانا میز پر لگایا روٹی بنائی پھر ان کے لیے مامی کے کہنے پر دو الگ الگ کمروں کی اچھی طرح صفائی کی وہ آرام کرنے گئے تو اس نے باقی کام بھی سمیٹ لیا۔ رات تک سبھی ماموں ایک ایک کر کے آگے پیچھے آگئے۔ رات کا کھانا کھا کر تینوں ماموؤں اور تینوں ماموں کے ساتھ رضیہ بھابی نے اپنے چھوٹے بیٹے جبران کے لیے رافعیہ کا ہاتھ مانگ لیا۔

ماموؤں کو تو ٹھیک ٹھیک بات سمجھ میں آگئی بڑی مامی کے

کان سائیں سائیں کرنے لگے یہی حال ان کی بہن کا تھا۔

"وہ تو شادی شدہ ہے؟" مامی نے لب کھولے۔

"تھا....." انہوں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"علیحدگی کے لیے کیس فائل کیا ہوا تھا اس نے دس دن پہلے ہی باقاعدہ طلاق ہو چکی ہے۔ جذباتی فیصلہ تھا جبران کا شادی نو ماہ بھی نہیں چلی ہر طرح سے کامیاب کرنے کی کوششیں کی لیکن طلاق ہو ہی گئی۔"

ماموں تو سوچ میں گم چپ رہے مامی کو بہت آگ لگی۔

"ایک کو نہیں بسا پاتو دوسری کو کہاں بسائے گا اب ہماری لڑکی کی زندگی برباد کرنی ہے۔"

"یہ میرے دیور اور آپ کے بہنوئی بیٹھے ہیں ان سے جانچ پڑتال کرلیں کہ جبران کیسا ہے؟"

"میں جبران کی ذمہ داری لیتا ہوں۔" دیور صاحب جھٹ بولے۔ مامی کھول کر رہ گئیں اگر کرنی ہی تھی جبران کی شادی تو اور لڑکیاں مر گئی تھیں ان کی گڑیا بھی تو تھی۔

"ہمیں نہیں اعتبار بھئی کون جانے وہاں کون کیسا ہے اور کیا کرتا ہے۔" مامی نے صاف انکار کر دیا۔

"میں نے جبران کو یہاں آنے کے لیے کہہ دیا ہے آپ لوگ اس سے مل لیجیے گا آپ کیا کہتے ہیں؟" وہ بڑے ماموں سے پوچھ رہی تھیں۔

"آجائے جبران مل لیتے ہیں اس سے انکار کس بنا پر کریں آپ کو۔" ماموں فوری انکار تو کیا انکار ہی کرنا نہیں چاہتے تھے۔

"کیوں نہ انکار کریں ابھی نہیں کرنی ہمیں اس کی شادی اتنی سی تو ہے۔ دیکھ لیں گے اس کی شادی بھی۔" بڑی مامی کا اب بس نہیں چل رہا تھا۔

"میرے دیور ذمہ داری لے رہیں ہیں کیا آپ کو ان کا بھی اعتبار نہیں؟" انہوں نے صاف اور سیدھا صرف بڑے ماموں سے پوچھا۔

"اعتبار ہے ان پر۔" بڑے ماموں نے جھٹ کہا۔

"بچے سے ایک غلطی ہوگئی اپنی مرضی سے شادی کی اس بار اس نے اختیار مجھے دیا آپ کی بھانجی ہیرا ہے۔ آپ کا احسان ہوگا مجھے یہ ہیرا دے دیں آج کل ایسی بچیاں کہاں ملتی ہیں؟" ماموں کا سینہ فخر سے پھول گیا شادی تو انہیں اس کی کرنی ہی تھی اس طرح بیٹھے بٹھائے رشتہ مل گیا اور انہیں کیا چاہیے تھا۔

"کب آرہا ہے جبران؟" انہوں نے اپنی بیوی کو صاف نظر انداز کر کے کہا۔

"آج کل میں ہی....."

"بس اس کے آتے ہی نکاح کر دیں گے ہم آپ جب چاہے رفو کو ساتھ لے جائیں وہ آپ کی ہوئی۔"

رضیہ بھابی خوش ہوئیں تینوں مامیاں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں کرنا ہی تھا تو گھر میں آگے پیچھے لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں ایک رفو ہی ضروری تھی۔

رضیہ بھابی رفو کے ہاتھ پر ہزار روپے رکھ کر اگلی صبح ہی اسلام آباد چلی گئیں۔ بڑی مامی نے اپنے شوہر کی خوب خبر لی رفو کو خوب جھڑکایا کہ جا کر ماموں سے صاف صاف کہہ دے کہ نہیں کرنی شادی وادی گڑیا کی کر دیں تجھے میں اپنے پاس رکھوں گی زبیر کی دلہن بناؤں گی۔" لیکن انکار کرنا تو رفو کو سکھایا ہی نہیں گیا تھا اور پھر وہ بڑی مامی اور رضیہ خاتون میں صاف صاف فرق کر سکتی تھی مامی کو اس نے جھجکتے ہوئے بس اتنا ہی کہا۔

"ماموں کا ہر فیصلہ مجھے منظور ہے۔" مامی کو تو آگ ہی لگ گئی۔

ہفتے بعد ماموں جبران سے ملنے اسلام آباد گئے اور ٹھیک دو دن بعد وہ لوگ نکاح کرنے آگئے رفو کو اپنے ناپ کا اپنا جوڑا ملا جوتے اور زیورات ملے جبران جیسے شاندار لڑکے کو دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔ کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ ان کے گھر کی کام والی کو ایسے شاندار لوگ ملے ہیں۔ ایسا شاندار دلہا صرف تینوں ماموں ہی خوش تھے باقی سب کو سانپ سونگھ چکا تھا نہ خود دیتے تھے نہ کسی کو دیتے دیکھ سکتے تھے وہ ایسے لوگ تھے۔

❁.....❁.....❁

نکاح کروا کر جبران اس کے کاغذات لے کر چلا گیا اور اس کے امتحانات کے لیے رضیہ خاتون پاکستان میں ہی رہ گئیں۔ اس کا نکاح کیا ہوا ماموں نے اس پر جی جان سے کام لاد دیا اس نے ہمیشہ کی طرح خندہ پیشانی سے کام کیا وہ چند دنوں کی مہمان ہے اور پھر وہ چلی جائے گی یہ کسی نے بھی نہ سوچا جیسے تیسے اس نے امتحانات دیئے اور رضیہ خاتون اسے دس دن بعد اپنے ساتھ لے کر انگلینڈ چلی گئیں۔

دن، ہفتے، مہینے گزرے رفو کو اس گھر میں کام والی کے روپ میں ہی یاد کیا جاتا رہا۔ وہاں اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا تھا۔

زنیرہ کی شادی کے لیے اس نے بیس ہزار بھیجے پھر گاہے بگاہے وہ ان کے لیے کوٹ، سویٹر، جوتے، گھڑیاں، پرفیوم بھیجتی رہی۔ پہلے وہ فون کرتی تو ماموں ہی بات کر لیتے اور اس کے بار بار کہنے پر بھی کوئی مامی اس سے بات نہ کرتی۔ کبھی کبھار گڑیا سلام دعا کر لیتی پھر ایک ایک کرکے مامیاں اس سے باتیں کرنے لگیں، اس سے کچھ نہ کچھ منگوا لیتی تھیں وہ بھیج دیتی تھی۔

"برہان انگلینڈ جا کر پڑھنا چاہتا ہے بلو الو گڑیا کے لیے کسی وہیں کی جاننے والی فیملی سے رشتہ درکار تھا۔"

وہ آہستہ آہستہ بھول گئے کہ رفو نامی لڑکی کبھی ہاتھ میں پانی کا گلاس پکڑے خادم بنی کھڑی رہا کرتی تھی۔

جبران کے دوست کی فیملی جو لاہور میں ہی رہتی تھی ان سے رفو نے مامی کی بات کروادی، گڑیا کے رشتے کے لیے۔

چند مہینوں بعد برہان بھی انگلینڈ پڑھنے چلا گیا۔

ہوسٹل میں کمرا ملنے تک رفو نے اسے اپنے پاس رکھا اس کے لیے اپنے گھر میں کمرا سیٹ کیا۔ برہان وہاں دو مہینے رہا اور شرم سے پانی پانی ہو گیا، اس گھر میں سب لوگ اپنے اپنے کام خود کرتے تھے، جبران اپنی پلیٹ اپنا گلاس خود اٹھا کر دھوتا تھا، اپنے جوتے خود پالش کرتا، اپنی شرٹ دھوتا، کمرا اور کچن بھی صاف کر لیتا، رفو نوکری بھی کر رہی تھی۔ شام کی کلاسز بھی لیتی تھی، مقامی اخبار میں اس کے آرٹیکلز بھی چھپتے تھے، رات کو سب فارغ ہو کر ٹی وی دیکھتے۔ جبران کھانا بھی بنا لیتا، میز پر لگا بھی دیتا، رفو دوسرے کام دیکھ لیتی، اس کی بیٹی کی دیکھ بھال اس کی دادی کرتیں۔ بازار کی ساری خریداری جبران کے پاپا کرتے۔ ویک اینڈ پر وہ لوگ گھومنے پھرنے کے لیے جاتے سب نے اپنے اپنے کام بانٹ لیے تھے اور زیادہ اچھی بات یہ تھی کہ وہ اپنے اپنے کام خود کرتے تھے کسی دوسرے کو آواز نہیں دیتے تھے کہ "آؤ اور آکر مجھے پانی پلا دو یا میرے کپڑے استری کردو یا مجھے کھانا نکال کر دے دو۔" برہان نے بھی اپنی شرٹ خود استری کرنا سیکھ لی، بکھرے ہوئے کچن کو سمیٹنا بھی، ہوسٹل گیا تو ویک اینڈ پر وہ رفو کے گھر آ جاتا جو جاتے ہوئے اسے طرح طرح کے کھانے پکا کر ساتھ دیتی۔

سال بعد وہ گھر گیا تو سارا دن چلنے والے ٹی وی کو بند کر دیا۔

"ٹی وی صرف رات کو لگے گا وہ بھی صرف دو گھنٹے" سن لو سب۔" وہ چلایا اور بہن بھائی ڈر گئے۔

سارا سارا دن سونے والی اپنی ماں، بہن اور تائی چچی کو وہ خوب سناتا۔ رفو کی مثالیں دیتا، اپنے ابا، تایا اور چچا کو بھی خوب اچھی طرح سمجھا دیا۔

"گھر اور گھر کی خواتین پر ذرا توجہ دیں اور سختی کریں۔"

گھر میں تین کام والیاں رکھی تھیں، اس نے دو کو فارغ کروایا۔

"یہ جو اتنی ڈھیر عورتوں کا گھر میں موجود ہے تا یہ کام کرے گھر کے۔ ایف اے، بی اے کرکے گھر بیٹھی ہیں، کھاتی ہیں اور سو جاتی ہیں۔" تایا چچا نے اس کی خوب حمایت کی نیلوفر درخشاں کو لے جا کر اس نے کالج میں داخل کروادیا۔ کہتی تھیں بس اور نہیں پڑھا جاتا، ایک اچھے قابل استاد کو ان کی ٹیوشن کے لیے رکھا۔ سختی سے ان کی اور اپنی ماں کو سمجھایا کہ کسی صورت کوئی پڑھائی نہ چھوڑے۔

اس کا خیال تھا کہ پڑھنے کے مواقع نہیں بھی ہیں تو بھی کیسے بھی کرکے پڑھو اور وہاں رہنے والوں کے پاس کون سی سہولت نہیں تھی پھر بھی میٹرک میں، ایف اے میں، بی اے میں انگریزی، اسلامیات، ریاضی میں فیل ہو جاتے یا فیل ہو کر بس کرکے ہی بیٹھ جاتے کہ کیا کرنا اتنا پڑھ لکھ کر۔ یہ ایک برہان ہی تھا جسے لکھنے پڑھنے کا بہت شوق تھا اور مغربی ملک میں جا کر اسے اندازہ ہوا کہ وہاں کے لوگ تو ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرتے۔ ٹرین میں، بس میں...... بس اسٹاپ میں، شاپنگ مال میں، سڑک پر چلتے، جہاں انہیں وقت ملتا ہے کتاب، اخبار، میگزین کھول کر بیٹھ جاتے ہیں یا کام کرتے رہتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جیسے آج کام کا آخری دن ہے۔ تو یہ دو چیزیں علم اور عمل...... تعلیم اور کام...... یہی دو چیزیں تبدیلی لائی ہیں۔

انقلاب کی طرف لے جاتی ہیں، ہمارے گھروں میں موجود ہر فرد ان سے کیوں دور ہے؟ جو فرد جو قوم اپنا محاسبہ کرکے اپنی اصلاح کر لیتی ہے، کامیاب رہتی ہے جو نہیں کرتے وہ تباہ ہو کر مٹ جاتے ہیں۔